صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
فروری ۲۰۱۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول: ڈاکٹر اسرار احمد

خصوصی مضمون

دورِ حاضر، احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

فلسفۂ انقلاب کے نقطۂ نظر سے

سیرت النبی ﷺ کا اجمالی مطالعہ

منہج انقلابِ نبویؐ

غارِ حرا کی تنہائیوں سے لے کر

مدینۃ النبیؐ میں اسلامی ریاست کی تشکیل

اور اس کی بین الاقوامی توسیع تک

اسلامی انقلاب کے مراحل، مدارج اور لوازم پر مشتمل

بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** حفظہ اللہ

کے دس خطباتِ جمعہ کا مجموعہ

صفحات: 375 قیمت اشاعت خاص: 300 روپے اشاعت عام: 200 روپے

"منہجِ انقلابِ نبویؐ" کے مباحث کی تلخیص پر مشتمل کتابچہ

رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب

صفحات: 64 قیمت اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 20 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-5869501

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : 59

شمارہ : 2

صفر المظفر 1431ھ

فروری 2010ء

فی شمارہ 20/-

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مجلس ادارت

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	200 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36271241

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرضِ احوال** —— 3

''امن کی آشا'' — ایوب بیگ مرزا

✿ **بیان القرآن** —— 7

سورۃ النساء (آیات ۹۲ تا ۱۱۵) — ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **تذکرہ و تبصرہ** —— 29

دورِ حاضر احادیث مبارکہ کی روشنی میں — مولانا ابوالکلام آزاد

✿ **ثنائے خواجہؐ** —— 42

نبی کریم ﷺ: دعائے خلیل اور نویدِ مسیحؑ کا مظہر — حافظ محمد مشتاق ربانی

✿ **تذکیر و موعظت** —— 47

نمازِ پنجگانہ کی اہمیت وفضیلت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

✿ **تعمیر سیرت** —— 55

حیا: اسلام کا امتیازی وصف — عتیق الرحمٰن صدیقی

✿ **کردار کے غازی** —— 65

اساطینِ علم کے اربابِ اقتدار سے تعلقات — حافظ طاہر اسلام عسکری

✿ **خطوط و نکات** —— 85

''ہند کی جانب سے ٹھنڈی ہوا'' — شیخ رحیم الدین

❀ ❀ ❀

عرضِ احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”امن کی آشا“

آج کے دور کو ٹیکنالوجی اور سفارت کاری کا دور کہا جاتا ہے۔ ٹیکنالوجی نے انسانیت کو اگرچہ بہت سی سہولیات فراہم کی ہیں' لیکن انسان کا ظاہری اور باطنی امن بُری طرح تباہ و برباد کیا ہے۔ سفارت کاری ٹیکنالوجی کے ہاتھوں ہونے والی تباہی و بربادی کی اچھے اچھے الفاظ اور خوبصورت اصطلاحوں سے پردہ پوشی کرتی ہے۔ پاکستان اور بھارت کے دو اخبارات کے تعاون سے ”امن کی آشا“ کے نام سے چلائی گئی مہم ایک ایسی ہی سفارت کاری کا شاہکار دکھائی دیتی ہے۔ امن کیا ہے؟ ظاہری اور باطنی سطح پر انسان کو امن کس طرح نصیب ہو سکتا ہے؟ ہم اسلام کے حوالہ سے قارئین کی نذر کرنا چاہیں گے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ یعنی عربی اسلام کی سرکاری زبان ہے۔ عربی کے اکثر الفاظ سہ حرفی مادہ سے بنتے ہیں۔ لفظ ایمان کا سہ حرفی مادہ امن ہے' یعنی ایمان امن سے بنا ہے۔ قرآن مجید کا بنی نوع انسان سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے ہر ہر حرف اور لفظ پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لائے اور زبان سے اس کا اقرار کرے۔ ایسا کرنے والا مسلمان کہلائے گا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں دو نام السلام اور المؤمن بھی ہیں۔ السلام کا ایک معنی سلامتی دینے والا ہے۔ دوسرا نام المؤمن امن سے مشتق ہے' جس کے معنی خوف سے محفوظ ہونا ہے۔ مؤمن وہ ہے جو دوسرے کو امن دے۔ اللہ تعالیٰ اس معنی میں المؤمن ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو امن دینے والا ہے۔ گویا مسلمان وہ ہے جو خود اور دوسروں کو امن اور سلامتی دے اور اسلام ایسا دین ہے جو ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں امن بھی ہو اور سلامتی کا باعث بھی بنے۔

یہاں ایک وضاحت از حد ضروری ہے۔ اسلام محض ایک مذہب ہی نہیں' ایک دین ہے' جو مکمل نظامِ حیات رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ محض اخلاقیات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ شریعت کے نام سے مکمل قانونی ڈھانچہ بھی رکھتا ہے۔ امن و سلامتی کا زبردست پرچارک ہونے کے باوجود اسلام بنیادی تقاضوں سے انحراف پر نہ صرف کسی قسم کا سمجھوتا نہیں کرتا بلکہ قانون کو پوری قوت سے

متحرک کرتا ہے۔ اسلام میں یہ تصور نہیں ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر تھپڑ مارے تو اُس کے سامنے دوسرا رخسار کر دو۔ ہاں معافی اور تلافی کا تصور ہے اور متاثرہ فریق اپنے قانونی حق کو استعمال کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے لہٰذا اس میں مکمل قانون سازی انسان کے فطری تقاضوں کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔

اسلام آزادی کا قائل ہے' لیکن مادر پدر آزادی کو امن اور سلامتی کے لیے زہر قاتل گردانتا ہے۔ مثلاً ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' کے قرآنی ضابطے کے مطابق آپ کسی کو زبردستی یعنی گن پوائنٹ پر مسلمان نہیں کر سکتے' لیکن جب ریاست کا کوئی شہری رضا و رغبت سے مسلمان ہو جائے تو اُسے اسلامی شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا' کم از کم ارکانِ اربعہ کی سختی سے پابندی کرنی ہوگی۔ اسلام دین کو مذاق بنانا قطعی طور پر پسند نہیں کرتا اور واپسی کا کوئی راستہ نہیں دیتا' لہٰذا مرتد کی سزا قتل مقرر کی گئی۔ بنی نوع انسان کو ایک مستقل اور اٹل اصول عطا فرمایا گیا اور وہ ہے ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ'' یعنی مخلوق میں سے کسی کی بھی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس سے خالقِ کائنات اللہ رب العزت کی معصیت کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ مسلمان کے لیے ایک ایسے گھوڑے کی مثال بڑی مناسب رہے گی جسے ایک سو گز کی رسی سے کھونٹے کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ اب وہ کھونٹے کے ارد گرد سو گز تک جہاں چاہے بیٹھے' لیٹے یا دوڑے' لیکن وہ سو گز سے دور نہیں جا سکتا۔ اگر فطرتِ انسانی کا بغور جائزہ لیا جائے تو ہم لازماً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مادر پدر آزادی معاشروں میں انتشار اور خلفشار پیدا کرتی ہے' جبکہ ریاستوں کے امن و امان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل نظام رکھتا ہے لہٰذا وہ اس جدید تصور کو قبول نہیں کرتا کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہونا چاہیے اور مذہب شہری کا انفرادی مسئلہ ہے۔

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو جان و مال کا مکمل تحفظ حاصل ہوتا ہے اور اُنہیں اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کی مکمل اور کھلی اجازت ہوتی ہے۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ اور غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔ شہری مسلمان ہو یا غیر مسلم' ریاست اُس کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ ہر نظام کا ایک کیچ ورڈ ہوتا ہے' اسلام کا کیچ ورڈ عدل ہے' یعنی اسلامی نظام کی بنیاد عدل پر ہے۔ یہ اسلامی نظام کی برکات ہیں کہ ایک غیر مسلم شہری اسلامی ریاست کے مسلمان خلیفۂ وقت کو عدالت میں طلب کروالیتا ہے اور جب قاضی خلیفۂ وقت کے خلاف فیصلہ صادر کرتا ہے تو وہ اسے من وعن تسلیم کرتا ہے۔ یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ قوانین

اگر انسانی فطرت کے مطابق ہوں اور مقتدر قوتیں انصاف پر کاربند ہوں اور اس معاملے میں اپنوں اور غیروں میں امتیاز نہ برتیں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔

آج کی دنیا کا المیہ کیا ہے؟ امن کا جتنا ڈھنڈورا آج پیٹا جا رہا ہے پہلے کبھی اتنا شور وغوغا نہیں سنا تھا۔ کسی سپریم قوت کا یہ بیان اخبارات میں شہ سرخی بنتا ہے: ''دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے''۔ کہیں امن کی آشا میٹھے میٹھے بولوں کے ساتھ برصغیر میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ لیکن دنیا خطرناک سے خطرناک ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جنگیں، خونریزی، قتل و غارت معمول بن چکا ہے۔ امن کی پکار اور صدا لگانے والے مصنوعی پن اور منافقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہ ظلم، جبر اور قوت سے دنیا پر من چاہا امن مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ وہ انسانوں اور اقوام کے درمیان تفریق چاہتے ہیں۔ وہ دلوں کو فتح کرنے کے قائل نہیں، لہٰذا تمام کوششیں نہ صرف یہ کہ اکارت جا رہی ہیں بلکہ انسانوں میں دشمنی، نفرت اور انتقام کا جذبہ جنم لے رہا ہے۔

دنیا کو امن کا گہوارہ بنانا ہے تو انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطے نہیں چلیں گے۔ کائنات میں امن کے لیے کائنات کے خالق کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جس نے اپنی آخری کتاب اپنے آخری پیغمبر کے ذریعے انسانوں تک پہنچا دی ہے، جس میں دیا گیا ضابطۂ حیات حتمی، آخری اور اٹل ہے، اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں، اگرچہ جس قدر آزادی اور رعایت اُس فریم ورک میں رہتے ہوئے حاصل کی جا سکتی ہے وہ کی جانی چاہیے۔ یہ دنیا جو کبھی ملوکیت اور فرعونیت کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی حالات کے جبر سے سرمایہ دارانہ جمہوریت کی گود میں جا گری، پھر وقت کی ٹھوکروں نے اسے اشتراکیت کے سپرد کر دیا، لیکن اشتراکیت محض ایک سہانا خواب ثابت ہوئی۔ پھر جمہوریت کی طرف لوٹی ہے، لیکن سرمایہ دارانہ جمہوریت کی ناؤ بھی اب ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہے، لہٰذا دنیا اب چاہے بھی تو اُسے اسلام کے دامن کے سوا کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ امن کا لازوال تحفہ صرف اور صرف اسلامی نظام دنیا کو پیش کر سکتا ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ یہ خالق کا عطا کردہ نظام ہے اور رب کی بستی میں رب کا نظام ہی کارفرما ہوگا تو امن اور سلامتی کا دور دورہ ہوگا۔ وگرنہ امن کی آشا بھی چلتی رہے گی اور مختلف حیلوں بہانوں سے بمبار طیاروں کی گڑگڑاہٹ اور توپوں کی گھن گرج میں انسانیت بھی کچلی جاتی رہے گی۔

❁❁❁

ارشاد احمد حقانی درویش منش انسان اور دیانتدار صحافی تھے!

ان کے انتقال سے اُردو صحافت میں فوری طرح پر نا قابلِ تلافی خلا واقع ہوا ہے!

از: ڈاکٹر اسرار احمد

میرا ان سے بہت قدیم تعلق تھا۔ ہم دونوں طالبعلمی کے زمانے میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ورکر کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے کارکن تھے' وہ بحیثیت کالج اسٹوڈنٹ اور میں بحیثیت ہائی اسکول اسٹوڈنٹ۔ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہم دونوں جماعت اسلامی کی تحریک سے منسلک ہوئے' وہ براہِ راست جماعت اسلامی کے رکن بن کر اور میں براستہ اسلامی جمعیت طلبہ ـــــ پھر دونوں کو ۵۷۔۱۹۵۶ میں جماعت اسلامی کی پالیسی سے اختلاف ہوا' چنانچہ فروری ۱۹۵۷ء میں ماچھی گوٹھ میں منعقد ہونے والے اجتماعِ ارکانِ جماعتِ اسلامی میں وہ مولانا مودودی مرحوم کی ایک رولنگ پر احتجاجاً ''واک آؤٹ'' کر کے نمایاں ہوئے۔ جس پر مولانا مرحوم نے فرمایا تھا: ''یا اللہ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں!'' اور میں تین گھنٹے تک سٹیج پر کھڑے ہو کر مولانا کے غالی معتقدین کے تیز و تند حملوں اور جملوں اور باقاعدہ ہوٹنگ کا سامنا کرتا رہا! ـــــ اجتماع کے بعد یوں تو جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کی تعداد بہت تھی اور جماعت کی صفِ دوم کی قیادت کے معتدبہ حصے نے جماعت کو خیرباد کہہ دیا تھا لیکن اس علیحدگی میں بھی زمانی اوّلیت ہم دونوں ہی کو حاصل تھی ـــــ البتہ اس کے بعد میں تو ہمہ تن ایک نئی دینی تنظیم کے قیام کی جدّوجُہد میں منہمک ہو گیا اور اس کے لیے قرآن اور اقامتِ دین کی دعوت کی صدا قریہ قریہ اور گلی گلی لگاتا رہا! اور وہ صحافت کی وسیع و عریض اور کھلی فضاؤں میں فہم و دانش کی نئی راہوں کی جانب نکل گئے۔ گویا ع ''او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم'' ـــــ وقت کے ساتھ فاصلے بڑھے اور آخر میں ہمارے خیالات اور رجحانات میں بہت فرق واقع ہو گیا تھا' چنانچہ میں قدامت پرست قرار پایا اور وہ ''روشن خیال'' ـــــ لیکن میں نے اپنے احباب کے حلقے میں ہمیشہ یہ گواہی دی کہ حقانی صاحب ایک مخلص دانشور ہیں' ان کا قلم بہت سے دوسرے صحافیوں کے مانند ''بکاؤ مال'' نہیں ہے' وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنے یقین اور کنوکشن کی بنا پر لکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ ان کے کردار کی اس پختگی کی بنا پر ان کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہوئے انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے گا۔ ع ''حق مغفرت کرے' عجب آزاد مرد تھا!''

❁❁❁

سُورۃُ النِّساء

آیات ۹۲ تا ۹۶

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾﴾

اب ایک اور معاشرتی مسئلہ آ رہا ہے۔ اُس وقت دراصل پورے عرب کے اندر ایک بھٹی

دہک رہی تھی' جگہ جگہ جنگیں لڑی جارہی تھیں' میدان لگ رہے تھے' معرکے ہورہے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں تو صرف بڑے بڑے معرکوں اور غزوات کا ذکر ہوا ہے مگر حقیقت میں اُس وقت پورا معاشرہ حالتِ جنگ میں تھا۔ ایک چوکھی جنگ تھی جو مسلسل جاری تھی۔ اِن آیات سے اُس وقت کے عرب معاشرے کی اصل صورتِ حال اور اُس قبائلی معاشرے کے مسائل کی بہت کچھ عکاسی ہوتی ہے۔ اس طرح کے ماحول میں' فرض کریں ایک شخص نے کسی دوسرے کو قتل کر دیا۔ قاتل اور مقتول دونوں مسلمان ہیں۔ قاتل کہتا ہے کہ میں نے عمداً ایسا نہیں کیا' میں نے تو شکار کی غرض سے تیر چلایا تھا مگر اتفاق سے نشانہ چوک گیا اور اس کو جا لگا۔ تو اب یہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا دو طرح کا ہو سکتا ہے' قتلِ عمد یا قتلِ خطا۔ یہاں اس بارے میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آیت ۹۲ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ﴾ ''کسی مؤمن کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ ایک مؤمن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر۔''

خطا کے طور پر قتل کیا ہے؟ نشانہ چوک گیا اور کسی کو جا لگا یا سڑک پر حادثہ ہو گیا' کوئی شخص گاڑی کے نیچے آ کر مر گیا۔ آپ تو اُسے مارنا نہیں چاہتے تھے' بس یہ سب کچھ آپ سے اتفاقی طور پر ہو گیا۔ چنانچہ سعودی عرب میں حادثات کے ذریعے ہونے والی اموات کے فیصلے اسی قانونِ قتلِ خطا کے تحت ہوتے ہیں۔ وہ قانون کیا ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ ''اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کر دے غلطی سے تو (اس کے ذمہ ہے) ایک مسلمان غلام کی گردن کا آزاد کرانا''

﴿وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ﴾ ''اور خون بہا مقتول کے گھر والوں کو ادا کرنا' اِلا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔''

یعنی قتلِ خطا کے بدلے میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دیت یعنی خون بہا ادا کیا جائے گا' یہ مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔ اور گناہ کے کفارے کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا' یہ اللہ کا حق ہے۔

﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسے قبیلے سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے اور تھا وہ مسلمان''

﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ﴾ ''تو پھر صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔''

کیونکہ کافر قبیلے کا آدمی تھا اور اگر اس کی دیت دی جائے گی تو وہ اس کے گھر والوں کو ملے گی جو کہ کافر ہیں' لہٰذا یہاں دیت معاف ہوگئی' لیکن ایک غلام کو آزاد کرنا جو اللہ کا حق تھا' وہ برقرار رہے گا۔

﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ ''اور اگر وہ (مقتول) ہو کسی ایسی قوم سے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے''

﴿فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ ''تو پھر دیت بھی دینا ہوگی اس کے گھر والوں کو اور ایک مؤمن غلام بھی آزاد کرنا ہوگا''۔

گویا یہ دو حق الگ الگ ہیں۔ ایک تو دیت ہے جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے' اس میں یہاں رعایت نہیں ہو سکتی' البتہ جو حق اللہ کا اپنا ہے یعنی گناہ کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا' تو اس میں اللہ نے نرمی کر دی' جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾﴾ ''پھر جو یہ (غلام آزاد) نہ کر سکے تو روزے رکھے دو مہینوں کے متواتر۔ یہ اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے' اور یقیناً اللہ تو علیم و حکیم ہے۔''

اب آگے قتلِ عمد کے قانون کے متعلق تفصیلات کا ذکر ہے۔

آیت ۹۳ ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا﴾ ''اور جو کوئی قتل کرے گا کسی مؤمن کو جان بوجھ کر تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا''

﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾﴾ ''اور اللہ کا غضب اس پر ہوگا' اور اللہ نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

جیسا کہ آغازِ سورۃ میں ذکر ہوا تھا کہ حرمتِ جان اور حرمتِ مال کے تصور پر معاشرے کی بنیاد قائم ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کا قتل کر دینا اللہ کے ہاں ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدہ (آیت ۳۲) میں قتلِ ناحق کو پوری نوعِ انسانی کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ قاتل نے حرمتِ جان کو پامال کر کے شجرِ تمدن کی گویا جڑ کاٹ دی' اور اس کا یہ فعل ایسے ہی ہے جیسے اس نے پوری انسانی نسل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے اندازہ

کیجئے کہ ہمارے ہاں ایمان واسلام کتنا کچھ ہے اور انسانی جان کی قدر و قیمت کیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں قتلِ عمد کے واقعات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں اور انسانی جان مچھر مکھی کی جان کی طرح ارزاں ہو چکی ہے۔

اب اگلی آیت کو سمجھنے کے لیے عرب کے ان مخصوص حالات کو نظر میں رکھیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے' مختلف علاقوں میں کچھ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کچھ ابھی کفر پر قائم تھے اور کوئی ذریعۂ تمیز بھی ان میں نہیں تھا' جگہ جگہ معرکے بھی ہو رہے تھے۔ اب فرض کریں کسی علاقے میں لڑائی ہو رہی ہے۔ مسلمان مجاہد سمجھا کہ سامنے سے کافر آ رہا ہے' مگر جب وہ اسے قتل کرنے کے لیے بڑھا تو اس نے آگے سے کلمہ پڑھ کر دعویٰ کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس صورتِ حال میں ممکن ہے سمجھا جائے کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ اس بارے میں حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۹۴ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا﴾ ''اے اہلِ ایمان' جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو''

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ ''اور جو شخص بھی تمہارے سامنے سلام پیش کرے (یا اسلام پیش کرے) اس کو یہ مت کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو۔''

تم اس کی باطنی کیفیت معلوم نہیں کر سکتے۔ ایمان کا تعلق چونکہ دل سے ہے اور دل کا حال سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا' لہٰذا دنیا میں تمام معاملات کا اعتبار زبانی اسلام (اقرارٌ باللسان) پر ہی ہوگا۔ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ رہا ہے اور اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہے تو آپ کو اس کے الفاظ کا اعتبار کرنا ہوگا۔ اس آیت کے پس منظر کے طور پر روایات میں ایک واقعے کا ذکر ملتا ہے جو حضرت اسامہ ؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کسی سریہ میں حضرت اسامہ ؓ کا ایک کافر سے دُو بدُو مقابلہ ہوا۔ جب وہ کافر بالکل زیر ہو گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تو اس نے کلمہ پڑھ دیا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اب ایسی صورتِ حال میں جو کوئی بھی ہوتا یہی سمجھتا کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ حضرت اسامہ ؓ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اُس پر نیزے کا وار کیا اور

اسے قتل کر دیا۔ لیکن دل میں ایک خلش رہی۔ بعد میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهٗ؟)) ''اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اور تم نے پھر بھی اُسے قتل کر دیا؟'' حضرت اسامہؓ نے جواب دیا: ''یارسول اللہ! اُس نے تو ہتھیار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا''۔ آپؐ نے فرمایا: ((اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا؟)) تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ جان لیا کہ اُس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟'' حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات مجھ سے بار بار فرمائی' یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا![1] بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ اُس دن کیا جواب دو گے جب وہ کلمۂ شہادت تمہارے خلاف مدّعی ہو کر آئے گا؟

﴿تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''تم دنیا کا سامان چاہتے ہو''
کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیں' قتل کریں اور مالِ غنیمت لے لیں۔
﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ﴾ ''تو اللہ کے ہاں بڑی غنیمتیں ہیں۔''
تمہارے لیے بڑی بڑی مملکتوں کے اموالِ غنیمت آنے والے ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔

﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ ''تم خود بھی تو پہلے ایسے ہی تھے' تو اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے''

آخر ایک دَور تم پر بھی تو ایسا ہی گزرا ہے۔ تم سب بھی تو نومسلم ہی ہو اور ایک وقت میں تم میں سے ہر شخص کافر یا مشرک ہی تو تھا! پھر اللہ ہی نے تم لوگوں پر احسان فرمایا کہ تمہیں کلمۂ شہادت عطا کیا اور رسول ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ لہٰذا اللہ کا احسان مانو اور اس طریقے سے لوگوں کے معاملے میں اتنی سخت روش اختیار نہ کرو۔

﴿فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۹۴﴾ ''تو (دیکھو) تحقیق کر لیا کرو۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔''

اگلی آیت مبارکہ میں جہاد کا لفظ بمعنی قتال آیا ہے۔ جہاں تک جہاد کی اصلی روح کا تعلق ہے تو ایک مؤمن گویا ہر وقت جہاد میں مصروف ہے۔ دعوت و تبلیغ بھی جہاد ہے' اپنے نفس کے

(1) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا الہ الا اللہ ۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے اور بعض دیگر کتب احادیث میں بھی۔

خلاف اطاعتِ الٰہی بھی جہاد ہے۔ازروئے حدیثِ نبویؐ: ((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ))(۱) بلکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ ''سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۲) ''یہ کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو انہیں اللہ کا مطیع بنانے کے لیے''۔ چنانچہ جہاد کی بہت سی منازل ہیں' جن میں سے آخری منزل قتال ہے۔تاہم جہاد اور قتال کے الفاظ قرآن میں ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔قرآن میں الفاظ کے تین ایسے جوڑے ہیں جن میں سے ہر لفظ اپنے جوڑے کے دوسرے لفظ کی جگہ اکثر استعمال ہوا ہے۔ان میں سے ایک جوڑا تو یہی ہے' یعنی جہاد اور قتال کے الفاظ' جبکہ دوسرے دو جوڑے ہیں ''مؤمن و مسلم'' اور ''نبی ورسول''۔

آیت ۹۵ ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''برابر نہیں ہیں اہلِ ایمان میں سے بیٹھ رہنے والے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) کے لیے نکلتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔''

﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ﴾ ''اللہ نے فضیلت دی ہے اُن مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والے ہیں' بیٹھے رہنے والوں پر' ایک بہت بڑے درجے کی۔''

دَرَجَةً کی تنکیر تفخیم کے لیے ہے' یعنی بہت بڑا درجہ۔ یہاں قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کی بات ہو رہی ہے کہ جو کسی معقول عذر کے بغیر قتال کے لیے نہیں نکلتا وہ اس کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا جو قتال کر رہا ہے۔اگر کوئی اندھا ہے' دیکھنے سے معذور ہے یا کوئی لنگڑا ہے' چل نہیں سکتا' ایسے معذور قسم کے لوگ اگر قتال کے لیے نہ نکلیں تو کوئی حرج نہیں۔لیکن ایسے لوگ جن کو کوئی ایسا عذر نہیں ہے' پھر بھی وہ بیٹھے رہیں' یہاں انہی لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ درجے میں مجاہدین کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتے۔اور یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ یہ ایسے قتال کی بات ہو رہی

(۱) سنن الترمذی' ابواب فضائل الجهاد عن رسول اللّٰہ ﷺ' باب ما جاء فی فضل من مات مرابطا۔ عن فضالة بن عبید ؓ۔

(۲) حلیة الاولیاء لابی نعیم ۲۸۲/۲۔عن ابی ذر الغفاری ؓ۔

ہے جس کی حیثیت اختیاری (optional) ہو لازمی قرار نہ دیا گیا ہو۔ جب اسلامی ریاست کی طرف سے قتال کے لیے نفیرِ عام ہو جائے تو معذورین کے سوا سب کے لیے نکلنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ قتال کے لیے پہلی دفعہ نفیرِ عام غزوۂ تبوک (سن ۹ ہجری) میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے قتال کے بارے میں صرف ترغیب (persuasion) تھی کہ نکلو اللہ کی راہ میں' حکم نہیں تھا۔ لہٰذا کوئی جواب طلبی بھی نہیں تھی۔ کوئی چلا گیا' کوئی نہیں گیا' کوئی گرفت نہیں تھی۔ لیکن غزوۂ تبوک کے لیے نفیرِ عام ہوئی تھی' باقاعدہ ایک حکم تھا' لہٰذا جو لوگ نہیں نکلے اُن سے وضاحت طلب کی گئی' اُن کا مؤاخذہ کیا گیا اور اُن کو سزائیں بھی دی گئیں۔ تو یہاں چونکہ اختیاری قتال کی بات ہو رہی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا رہا کہ ان کو پکڑو اور سزا دو' بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے مجاہدین اللہ کی نظر میں بہت افضل ہیں۔ اس سے پہلے ایسے قتال کے لیے اسی سورۃ (آیت ۸۴) میں ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا حکم ہے' یعنی مومنین کو قتال پر اُکسایئے' ترغیب دیجئے' آمادہ کیجئے۔ لیکن یہاں واضح انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے اور نہ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ﴾ ''(اگرچہ) سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔''

چونکہ ابھی قتال فرض نہیں تھا' نفیرِ عام نہیں تھی' سب کا نکلنا لازم نہیں کیا گیا تھا' اس لیے فرمایا گیا کہ تمام مؤمنین کو ان کے اعمال کے مطابق اچھا اجر دیا جائے گا۔ قتال کے لیے نہ نکلنے والوں نے اگر اتنی ہمت نہیں کی اور وہ کمتر مقام پر قانع ہو گئے ہیں تو ٹھیک ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہو گی۔

﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ ''لیکن فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک اجرِ عظیم کی (صورت میں)۔''

آیت ۹۶ ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ ''(اُن کے لیے) اُس کی طرف سے بلند درجات بھی ہوں گے اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیات ۹۷ تا ۱۰۰

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾﴾

اب ان لوگوں کا ذکر آ رہا ہے جو ہجرت کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے' اس سلسلے میں انہیں کوئی عذر بھی مانع نہیں تھا' مگر پھر بھی وہ اپنے قبیلے یا مکہ شہر میں اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے تھے۔

آیت ۹۷ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''یقیناً وہ لوگ کہ جن کو فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے''

یعنی انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی' اس سلسلے میں رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت نہیں کی تھی۔ آخر موت تو آنی ہے' لہٰذا فرشتے جب ان کی روحیں قبض کریں گے تو ان کے ساتھ اس طرح مکالمہ کریں گے:

﴿قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ﴾ ''وہ ان سے کہیں گے یہ تم کس حال میں تھے؟''

تم نے ایمان کا دعویٰ تو کیا تھا' لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا حکم دیا تو ہجرت کیوں نہیں کی؟ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟

﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ کہیں گے ہم مجبور اور کمزور بنا دیے گئے تھے اس زمین میں۔''

﴿قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ﴾ ''وہ (فرشتے) کہیں

گے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟''

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۹۷﴾ ''تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بہت بُری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔''

آیت ۹۸ ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ''سوائے ان مَردوں' عورتوں اور بچوں کے جن کو واقعتاً دبا لیا گیا ہو'

جن لوگوں کو کمزور سمجھ کر دبا لیا گیا ہو' واقعتاً زنجیروں میں جکڑ کر گھروں میں بند کر دیا گیا ہو' ان کا معاملہ اور ہے۔ یا پھر کوئی عورت ہے جس کے لیے تنہا سفر کرنا ممکن نہیں۔ ویسے تو ایسی عورتیں بھی تھیں جنہوں نے تنہا ہجرتیں کیں' لیکن ہر ایک کے لیے تو ایسا ممکن نہیں تھا۔

﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹۸﴾ ''نہ تو وہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ وہ راستہ جانتے ہیں۔''

آیت ۹۹ ﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۹۹﴾ ''بعید نہیں کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے' اور اللہ واقعتاً بخشنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔''

ایسے بے بس اور لاچار مَردوں' بچوں اور عورتوں کے لیے اسی سورۃ (آیت ۷۵) میں حکم ہوا تھا کہ ان کے لیے قتال فی سبیل اللہ کرو اور انہیں جا کر چھڑاؤ۔ لیکن جو لوگ ہجرت کے اس واضح حکم کے بعد بھی بغیر عذر کے بیٹھے رہے ہیں ان کے بارے میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ وہ منافق ہیں' ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں' جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ بلکہ قتال کے معاملے میں وہ بالکل کفار کے برابر ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں''

﴿يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ﴾ ''وہ پائے گا زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی وسعت۔''

جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾ ''اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو' میری زمین بہت کشادہ ہے' پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو!'' اگر یہاں اپنے وطن میں اللہ کی بندگی نہیں کر سکتے ہو تو کہیں اور

چلے جاؤ۔

﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾ ''اور جو کوئی اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہجرت کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف' پھر اسے موت نے آلیا''

﴿فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہوگیا۔''

یعنی جس کسی نے بھی ہجرت کی' فی سبیل اللہ' دولت کے لیے یا حصولِ دنیا کے لیے نہیں' بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا جوئی کے لیے' وہ اصل ہجرت ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى' فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ' وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ))(۱)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے اور بلاشبہ ہر انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف تو واقعی اُس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے' اور جس نے ہجرت کی دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے تو اس کی ہجرت اُسی چیز کی طرف شمار ہوگی جس کا اُس نے قصد کیا۔''

چنانچہ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کی' خلوصِ نیت کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا اور راستے ہی میں فوت ہوگیا' مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکا' حضورﷺ کے قدموں تک اس کی رسائی نہیں ہوسکی' وہ اپنا مقصود حاصل نہیں کرسکا' تو پھر بھی وہ کامیاب و کامران ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اسے ہجرت کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ''اور یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

---

(۱) صحيح البخاري' كتاب بدء الوحي' باب بدء الوحي' و كتاب الايمان والنذور' باب النية في الايمان۔ وصحيح مسلم' كتاب الامارة' باب قوله انما الاعمال بالنية.....

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۴

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۡ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ۡ وَلْتَاْتِ طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَۃً وَّاحِدَۃً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ۭ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۱۰۴﴾﴾

اس رکوع میں پھر شریعت کے کچھ احکام اور عبادات کی کچھ تفاصیل ہیں۔ گویا خطاب کا رُخ اب پھر اہلِ ایمان کی طرف ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز کو کچھ کم کر لیا کرو''

﴿اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ﴾ ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔''

﴿اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾﴾ ''یقیناً یہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔''

یہ تو ہے حالتِ سفر میں قصرِ صلوٰۃ کا حکم۔ لیکن جنگ کی حالت میں قصر یعنی صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ حالتِ جنگ میں جب پورے لشکر کا ایک ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو گروہوں کی شکل میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ایسی صورت میں جب حضور ﷺ خود بھی لشکر میں موجود ہوتے تو کوئی ایک گروہ ہی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ سکتا تھا' جبکہ دوسرے گروہ کے لوگوں کو لازماً محرومی کا احساس ہوتا۔ لہٰذا اس مسئلے کے حل کے لیے صلوٰۃ الخوف ادا کرنے کی بہت عمدہ تدبیر بتائی گئی۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور (اے نبیؐ) جب آپؐ ان کے درمیان موجود ہوں اور (حالتِ جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہوں''

﴿فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۭ﴾ ''تو ان میں سے ایک گروہ کو کھڑے ہونا چاہیے آپؐ کے ساتھ' اور وہ اپنا اسلحہ لیے ہوئے ہوں۔''

﴿فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠﴾ ''پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو آپؐ کے پیچھے ہو جائیں''

﴿وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ﴾ ''اور آئے دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور وہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھیں''

یہ حکم صلوٰۃ الخوف کے بارے میں ہے۔ اس کی عملی صورت یہ تھی کہ حضور ﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھا دی اور اس کے بعد آپؐ بیٹھے رہے' دوسری رکعت کے لیے کھڑے نہیں ہوئے' جبکہ مقتدیوں نے دوسری رکعت خود ادا کر لی۔ دو رکعتیں پوری کر کے وہ محاذ پر واپس چلے گئے تو دوسرے گروہ کے لوگ جو اب تک نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے' نماز کے لیے حضورؐ کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اب حضورؐ نے دوسری رکعت اس گروہ کے لوگوں کی موجودگی میں پڑھائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے سلام پھیر دیا' لیکن مقتدیوں نے اپنی دوسری رکعت انفرادی طور پر ادا کر لی۔ اس طریقے سے لشکر میں سے کوئی شخص بھی حضورؐ کی امامت کے شرف اور سعادت سے محروم نہ رہا۔

﴿وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ﴾ ''اور ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں۔''

﴿وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً﴾ ''یہ کافر لوگ تو اسی تاک میں رہتے ہیں کہ تم جیسے ہی اپنے اسلحہ اور ساز وسامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں۔''

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ﴾ ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو جاؤ اور (ایسی صورتوں میں) تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو۔''

﴿وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ﴾ ''البتہ اپنا بچاؤ ضرور کر لیا کرو۔''

اگر تلوار' نیزہ وغیرہ جسم سے بندھے ہوئے ہوں اور اس حالت میں نماز پڑھنا مشکل ہو تو یہ اسلحہ وغیرہ کھول کر علیحدہ رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ جنگ کے حالات اجازت دیتے ہوں' لیکن ڈھال وغیرہ اپنے پاس ضرور موجود رہے تاکہ اچانک کوئی حملہ ہو تو انسان اپنے آپ کو اس فوری حملے سے بچا سکے اور اپنے ہتھیار سنبھال سکے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ ''یقیناً اللہ نے کافروں کے لیے بہت ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۰۳ ﴿فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''پھر جب تم (اس طریقے سے) نماز ادا کر لو''

﴿فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ﴾ ''تو پھر ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے' بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے۔''

چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' سواری پر' پیدل چلتے ہوئے ہر حالت میں اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے۔ یہ ذکرِ کثیر صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں اس کا اہتمام رہنا چاہیے۔ جیسے سورۃ الجمعہ میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ''۔ چنانچہ نماز کے بعد بھی اور کاروبارِ زندگی کی مصروفیات کے دوران بھی ذکرِ کثیر جاری رکھو۔ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو' اس کے ذکر میں مشغول رہو۔ ادعیہ ماثورہ اور اوراد مسنونہ کا اہتمام کرو' اپنی زبانوں' ذہنوں اور دلوں کو اُس کے ذکر سے تر و تازہ رکھو۔

﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ''پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو پھر نماز کو قائم کرو (تمام آداب وشرائط کے ساتھ)''۔

یعنی نماز کی یہ شکل (صلوٰۃ الخوف) صرف اضطراری حالت میں ہوگی' مگر جب خوف جاتا رہے اور حالتِ امن بحال ہو جائے تو نماز کو شریعت کے احکام اور آداب کے عین مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ''یقیناً نماز اہلِ ایمان پر فرض کی گئی ہے وقت کی پابندی کے ساتھ''۔

یعنی نماز کی فرضیت باقاعدہ اس کے اوقات کے ساتھ ہے۔ نماز کے اوقات کے ضمن میں ایک حدیث میں تفصیل مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی۔ ایک دن پانچوں نمازیں اوّل وقت میں جبکہ دوسرے دن تمام نمازیں آخر وقت میں پڑھائیں اور بتایا کہ نمازوں کے اوقات ان حدود کے مابین ہیں۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ ''اور اس دشمن گروہ کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ''۔

حق و باطل کی جنگ اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ اس آخری مرحلے میں آ کر تھک نہ جانا اور دشمن کا پیچھا کرنے میں سست مت پڑ جانا' ہمت نہ ہار دینا۔

﴿اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ﴾ ''اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تمہاری طرح انہیں بھی تو تکلیف پہنچتی ہے''۔

یہ بڑا پیارا انداز ہے کہ اس کشمکش میں اگر تم لوگ نقصان اٹھا رہے ہو تو کیا ہوا؟ تمہارے دشمن بھی تو ویسے ہی نقصان سے دوچار ہو رہے ہیں' انہیں بھی تو تکالیف پہنچ رہی ہیں' وہ بھی تو زخم پر زخم کھا رہے ہیں' ان کے لوگ بھی تو مر رہے ہیں۔

﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ﴾ ''اور تم اللہ سے ایسی اُمیدیں رکھتے ہو جیسی امیدیں وہ نہیں رکھتے''۔

تمہیں تو جنت کی اُمید ہے' اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید ہے' جبکہ انہیں ایسی کوئی اُمید نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے تمہیں تو ان سے کہیں بڑھ کر پُرجوش ہونا چاہیے۔ سورۂ آلِ عمران

کی آخری آیت میں بھی اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾ ''اے ایمان والو! صبر سے کام لو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور مربوط رہو''۔ تو آپ لوگوں کو تو صبر واستقامت میں ان سے بہت آگے ہونا چاہیے' کیونکہ تمہارا سہارا تو اللہ ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ (النحل:۱۲۷) ''آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے''۔ تمہارے دشمنوں کے تو من گھڑت قسم کے خدا ہیں۔ اُن کے دیوتاؤں اور دیویوں کی خود ان کے دلوں میں کوئی حقیقی قدر و قیمت نہیں ہے' پھر بھی وہ اپنے باطل معبودوں کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہیں تو اے مسلمانو! تمہیں تو ان سے کئی گنا زیادہ قربانیوں کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَكَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔''

یہ چند آیتیں تو تھیں اہل ایمان سے خطاب میں۔ اس کے بعد اگلے رکوع میں پھر منافقین کا ذکر آ رہا ہے۔

آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰہُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴿۱۰۷﴾ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴿۱۰۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۟ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْھِمْ وَكِیْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَھَمَّتْ

طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾

آیت ۱۰۵ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ﴾ ''(اے نبیؐ) یقیناً ہم نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ تاکہ آپؐ لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے''

یعنی ایک تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو کتاب دی ہے' قانون دیا ہے' اس کے ساتھ آپؐ کو بصیرتِ خاص دی ہے۔ مثلاً عدالت میں ایک جج بیٹھا ہے' اس کے سامنے قانون کی کتاب ہے' مقدمے سے متعلق متعلقہ ریکارڈ ہے' شہادتیں ہیں' اب ایک اس کی اپنی عقل (چھٹی حس) اور قوتِ فیصلہ بھی ہوتی ہے' جس کو بروئے کار لا کر وہ فیصلہ کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسا ہم آپؐ کو دکھاتے ہیں اس کے مطابق آپؐ فیصلہ کریں۔

﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾﴾ ''اور آپؐ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔''

یعنی آپؐ ان کی طرف سے وکالت نہ فرمائیں۔ ایک شخص جو کہنے کو تو مسلمان ہے لیکن ہے خائن' آپؐ کو اس کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے پس منظر میں دراصل ایک واقعہ ہے۔ ایک منافق نے کسی مسلمان کے گھر میں چوری کے لیے نقب لگائی اور وہاں سے آٹے کا ایک تھیلا اور کچھ اسلحہ چرا لیا۔ آٹے کے تھیلے میں سوراخ تھا' جب وہاں سے وہ اپنے گھر کی طرف چلا تو سوراخ میں سے آٹا تھوڑا تھوڑا گرتا گیا۔ اس طرح اس کے راستے اور گھر کی نشاندہی ہوتی گئی' مگر اسے خبر نہیں تھی کہ آٹے کی لکیر اس کا راز فاش کر رہی ہے۔ گھر پہنچ کر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے مجھ پر شک ہو جائے' چنانچہ اُس نے اسی وقت جا کر وہ سامان ایک

یہودی کے ہاں امانتاً رکھوا دیا' لیکن آٹے کا نشان وہاں بھی پہنچ گیا۔ اگلے روز جب تلاش شروع ہوئی تو آٹے کی لکیر کے ذریعے لوگ کھوج لگاتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچ گئے' لیکن پوچھ گچھ پر اس نے صاف انکار کر دیا۔ تلاشی لی گئی' مگر کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ آٹے کے نشانات مزید آگے جا رہے ہیں تو وہ کھوج لگاتے ہوئے یہودی کے گھر پہنچے' اس کے ہاں سے سامان بھی برآمد ہو گیا۔ یہودی نے حقیقت بیان کر دی کہ یہ سامان رات کو فلاں شخص نے اُس کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔ منافق کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہودی جھوٹ بولتا ہے' وہی چور ہے۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو یہ جھگڑا حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا۔ منافق کے قبیلے والوں نے قسمیں کھا کھا کر خوب وکالت کی کہ ہمارا یہ آدمی تو بہت نیک ہے' اس پر خواہ مخواہ کا جھوٹا الزام لگ رہا ہے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا دل بھی اس شخص کے بارے میں کچھ پسیجنے لگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ خیانت کرنے والے کے حمایتی نہ بنیں' اس کی طرف سے وکالت نہ کریں' اس کا سہارا نہ بنیں' اس کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہاں خَصِیْمًا کے معنی ہیں جھگڑا کرنے والا' بحث کرنے والا۔ لِلْخَآئِنِیْنَ کا مطلب ہے ''خائن لوگوں کے حق میں''۔ لیکن اگر عَلَی الْخَآئِنِیْنَ ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا ''خائن لوگوں کے خلاف''۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ ''اور اللہ سے استغفار کریں' یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔''

یعنی اس منافق کے حق میں آپؐ کی طبیعت میں جو نرمی پیدا ہو گئی تھی اُس پر اللہ سے استغفار کیجئے' مغفرت طلب کیجئے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ﴾ ''اور آپؐ مت جھگڑیے اُن لوگوں کی طرف سے جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔''

اس حکم کے حوالے سے ذرا مسئلہ شفاعت پر بھی غور کریں۔ ہم یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ حضور ﷺ ہماری طرف سے شفاعت کریں گے' چاہے ہم نے بے ایمانیاں کی ہیں' حرام خوریاں کی ہیں' شریعت کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ لیکن یہاں آپؐ کو دوٹوک انداز میں خائن لوگوں کی وکالت سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں

ہیں خیانت میں بہت بڑھے ہوئے اور گنہگار لوگ۔''

آیت ۱۰۸ ﴿یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ﴾ ''یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے''

یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔

﴿وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ﴾ ''اور وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو چھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔''

یہ منافقین کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب وہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف چوری چھپے سازشیں کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اگر اللہ پر ان کا ایمان ہو تو انہیں معلوم ہو کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں' ان سے اپنی باتوں کو خفیہ رکھتے ہیں' مگر ان بدبختوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہمارے پاس موجود ہے' اس سے تو کچھ نہیں چھپ سکتا۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

یعنی اس کی پکڑ سے یہ کہیں باہر نہیں نکل سکتے۔

آیت ۱۰۹ ﴿ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ ''یہ تم لوگ ہو جنہوں نے دنیا کی زندگی میں ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا۔''

﴿فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ﴾ ''مگر قیامت کے دن اللہ سے ان کے بارے میں کون جھگڑا کرے گا؟''

﴿اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ﴿۱۰۹﴾﴾ ''یا کون ہو گا جو (وہاں) ان کا وکیل بن سکے گا؟''

یہ خطاب ہے اُس منافق چور کے قبیلے کے لوگوں سے کہ اے لوگو! تم نے دنیا کی زندگی میں تو مجرموں کی طرف سے خوب وکالت کر لی' یہاں تک کہ حضور ﷺ کو بھی قائل کرنے کی حد تک تم پہنچ گئے۔ مگر یہاں تم انہیں چھڑا بھی لیتے اور بالفرض حضور ﷺ کو بھی قائل کر لیتے تو قیامت کے دن انہیں اللہ کی پکڑ سے کون چھڑاتا؟ اس ضمن میں حضور ﷺ کی ایک حدیث کا

مفہوم اس طرح ہے کہ میرے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے' اس میں ایک فریق زیادہ چرب زبان ہوتا ہے' وہ اپنی بات بہتر طور پر پیش کرتا ہے اور میرے ہاں سے اپنے حق میں غلط طور پر فیصلہ لے جاتا ہے۔ (فرض کیجئے کسی زمین کے ٹکڑے کے بارے میں کوئی تنازعہ تھا اور ایک شخص غلط طور پر بات ثابت کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے گیا۔) لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح وہ زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ جہنم کا ٹکڑا لے کر گیا ہے۔ یعنی خود رسول اللہ ﷺ جو بھی فیصلے کرتے تھے شہادتوں کے اعتبار سے کرتے تھے' حضور ﷺ کے لیے اللہ کی طرف سے ہر وقت اور ہر مرحلے پر تو وحی نازل نہیں ہوتی تھی' جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا آپ کو متنبہ فرما دیتا تھا۔ اس لیے آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرما دی کہ اگر کچھ لوگ اس دنیا میں جھوٹ' فریب اور غلط فیصلے کے ذریعے کوئی مفاد حاصل کر بھی لیتے ہیں تو انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک دن اُس کی عدالت میں بھی پیش ہونا ہے جہاں جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہیں چلے گا' وہاں ان کے حق میں اللہ سے کون جھگڑے گا؟

آیت ۱۱۰ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰﴾ ''اور جو کوئی بُری حرکت کرے یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھے اور پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو پائے گا بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا۔''

اس سلسلے میں سیدھی روش یہی ہے کہ غلطی یا خطا ہو گئی ہے تو اس کا اعتراف کر لو' اس جرم کی جو دُنیوی سزا ہے وہ بھگت لو اور اللہ سے استغفار کرو۔ اس طرح آخرت کی سزا سے چھٹکارا مل جائے گا۔

آیت ۱۱۱ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱۱﴾ ''جو کوئی بھی گناہ کماتا ہے تو وہ اس کا وبال اپنی ہی جان پر لیتا ہے۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔''

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــًٔـا﴾ ''اور جو کوئی کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' پھر اس کا الزام کسی بے گناہ پر لگا دیتا ہے''

﴿فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۲﴾ ''تو اس نے اپنے سر ایک بہت بڑا بہتان اور بہت صریح گناہ کا بوجھ لے لیا۔''

کسی نے کوئی گناہ کمایا' کوئی خطا کی' کوئی غلطی کی' کوئی جرم کیا' پھر اس کی تہمت کسی بے قصور شخص پر لگا دی تو بہت بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ مذکورہ معاملے میں یہودی تو بے قصور تھا' جو لوگ اس کو سزا دلوانے کے لیے تل گئے تو ان کا یہ فعل یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓـًٔا کے زُمرے میں آ گیا۔ کسی بے گناہ پر اس طرح کا بہتان لگانا اللہ کے نزدیک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔

اس کے بعد اب اُس یہودی اور منافق کے مقدمے کے کچھ مزید پہلوؤں کے بارے میں حضور ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ﴾ ''اور (اے نبیؐ) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپؐ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو اُن (منافقین) کا ایک گروہ تو اس پر تُل گیا تھا کہ آپ کو گمراہ کر دے۔''

وہ لوگ تو اس پر کمربستہ تھے کہ آپؐ کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے آپؐ سے غلط فیصلہ کروائیں' عدالتِ محمدی ﷺ سے ظلم پر مبنی فیصلہ صادر ہو جائے' گناہگار چھوٹ جائے اور جو اصل مجرم نہیں تھا' بالکل بے گناہ تھا' اس کو پکڑ لیا جائے۔

﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ﴾ ''اور حقیقت میں وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور (اے نبیؐ) وہ آپؐ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

ہم ایسے مواقع پر بروقت آپ ﷺ کو مطلع کرتے رہیں گے۔

﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ ''اور اللہ نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے اور حکمت بھی' اور آپؐ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپؐ نہیں جانتے تھے۔''

﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ ''اور یقیناً اللہ کا فضل ہے آپؐ پر بہت بڑا۔''

آیت ۱۱۴ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ ''ان (منافقین) کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی''

منافقین کی منفی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ علیحدہ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا' دوسروں کو دیکھ کر مسکرانا اور ساتھ اشارے بھی کرنا تاکہ دیکھنے والے کے دل میں خلجان پیدا ہو کہ میرے بارے میں بات ہو رہی ہے' آج بھی ہماری مجلسوں میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ سارے معاملات

جوں کے توں انسانی معاشرے کے اندر ویسے ہی آج بھی موجود ہیں۔ مگر اللہ کا فرمان ہے کہ اس انداز کی خفیہ سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔

﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ﴾ ''اِلا یہ کہ کوئی تلقین کرے صدقہ وخیرات کی' یا نیکی کی یا لوگوں کے معاملات کو درست کرنے کی۔''

خیر والی سرگوشی یہ ہوسکتی ہے کہ خاموشی سے کسی کو علیحدگی میں لے جا کر اس کو صدقہ و خیرات کی تلقین کی جائے کہ بھائی دیکھو آپ کو اللہ نے غنی کیا ہے' فلاں شخص محتاج ہے' میں اس کو جانتا ہوں' آپ کو اس کی مدد کرنی چاہیے' وغیرہ۔ پھر معروف اور بھلائی کے امور میں خفیہ صلاح مشورے اگر کیے جائیں تو اس میں بھی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی غلط فہمی یا جھگڑے کی صورت میں فریقین میں صلح صفائی کرانے کی غرض سے بھی خفیہ مذاکرات کسی سازش کے زمرے میں نہیں آتے۔ مثلاً دو بھائی جھگڑ پڑے ہیں' اب آپ ایک کی بات علیحدگی میں سنیں اور دوسرے کے پاس جا کر اس بات کو بہتر انداز میں پیش کریں کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے' انہوں نے یہ بات یوں نہیں' یوں کہی تھی۔ اس طرح کی علیحدہ علیحدہ گفتگو جو نیک نیتی سے کی جا رہی ہو' یہ یقیناً نیکی اور بھلائی کی بات ہے' جو باعث اجر وثواب ہے۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''اور جو شخص اس طرح (کی سرگوشی) کرے گا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تو عنقریب ہم اسے دیں گے بہت بڑا اجر۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ ''اور جو رسولؐ کی مخالفت پر تل گیا' اس کے بعد کہ اُس پر ہدایت واضح ہو چکی''

یعنی جو کوئی خفیہ سازشوں اور چوری چھپے کی لگائی بجھائی کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف بھڑکاتا ہے کہ دیکھو جی یہ اپنے لوگوں کو نواز رہے ہیں۔ جیسا کہ غزوۂ حنین میں ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان مسلمانوں کو جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے' مالِ غنیمت میں سے ان کی دلجوئی کے لیے (جسے قرآن میں تالیفِ قلوب کہا گیا ہے) ذرا زیادہ مال دے دیا تو اس پر بعض لوگوں نے شور مچا دیا کہ دیکھ لیا' جب کڑا وقت تھا' مشکل وقت تھا تو اسے ہم جھیلتے رہے' اب یہ اچھا وقت آیا ہے تو اپنے رشتہ دار یاد آ گئے ہیں۔ ظاہر ہے مکہ

والے حضور ﷺ کے رشتہ دار تھے' قریش کا قبیلہ حضور ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا۔ تو طرح طرح کی باتیں جو آج کے دور میں بھی ہوتی ہیں ویسی ہی باتیں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے جو ہمیشہ ایک سی رہی ہے' اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور وہ اہلِ ایمان کے راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے''

﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ﴾ ''تو ہم بھی اس کو اُسی طرف پھیر دیتے ہیں جس طرف اُس نے خود رُخ اختیار کر لیا ہو اور ہم اسے پہنچائیں گے جہنم میں۔''

﴿وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵﴾ ''اور وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔''

یہ آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اجماعِ اُمّت کی سند اس آیت میں ہے۔ یہ بات تو بہت واضح ہے کہ اسلامی قوانین کے لیے بنیادی ماخذ قرآن ہے' پھر حدیث و سنّت ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا معاملہ بھی سمجھ میں آتا ہے' مگر اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اجماع کی دلیل قرآن سے تلاش کرنے کی کوشش کی اور قرآن کو شروع سے آخر تک تین سو مرتبہ پڑھا مگر مجھے اجماع کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ پھر بالآخر تین سو ایک مرتبہ پڑھنے پر میری نظر جا کر اس آیت پر جم گئی: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔ گویا اہلِ ایمان کا جو راستہ ہے' جس پر اجماع ہو گیا ہو اہلِ ایمان کا' وہ خود اپنی جگہ بہت بڑی سند ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَةٍ))(۱) ''میری اُمّت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔''

(۱) سنن ابن ماجه' کتاب الفتن' باب السواد الاعظم' بروایت انس بن مالك رضی اللہ عنہ۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 20 روپے

دورِ حاضر' احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

مولانا ابوالکلام آزاد

کئی احادیث مبارکہ میں ظہور وعروج اسلام کی خبر دی گئی تھی۔ایک حدیث کے مطابق ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((وَاللّٰهِ لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ اَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ))(۱)

''اللہ کی قسم دعوتِ اسلام کا جو کام شروع ہوا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا' یہاں تک کہ صنعا (یمن) سے حضر موت تک ایک سوار چلا جائے گا اور اسے اللہ کے ڈر یا بکریوں پر بھیڑیے کے ڈر کے علاوہ کوئی ڈر نہیں ہوگا (امن واسلام کے سوا راہ میں کچھ نہ پائے گا) لیکن تم جلدی مچا رہے ہو''۔

اِسی طرح حدیثِ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ہے:

((لَتُفْتَحَنَّ كُنُوْزُ كِسْرٰى))(۲)

''ضرور ہے کہ عنقریب کسریٰ کے خزانے تمہارے لیے کھول دیے جائیں گے''۔

اُس صادق ومصدوق کی زبانِ حق سے جس وقت یہ پیشین گوئی نکلی' مسلمانوں کی بے کسی کا یہ حال تھا کہ خود اُن کے وطن کے دروازے بھی اُن پر بند تھے' قیصر وکسریٰ کے خزانوں کا نام سن کر کس قدر حیران ومتعجب ہوئے ہوں گے؟ عدی بن حاتم ؓ ضبط نہ کر سکے' حیران ہو کر پوچھا ''کون کسریٰ''؟ کسریٰ بن ہرمز' شہنشاہِ ایران؟ فرمایا: ہاں وہی اور کون! یعنی اِس پر تمہیں تعجب کیوں ہے؟

((لَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهٖ مِنْ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهٗ مِنْهُ فَلَا يَجِدُ اَحَدًا يَقْبَلُهٗ مِنْهُ))(۳)

''اگر تم زندہ رہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے' مسلمانوں کی دولت مندیوں کا یہ حال ہوگا کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی مسکین کو دے دے مگر کوئی لینے

والا نہ ملے گا"۔(یعنی سب آسودہ حال ہوں گے۔)

عدیؓ کہتے ہیں: میں زندہ رہا اور پہلی بات اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

وَكُنْتُ فِيمَنِ افْتَتَحَ كُنُوزَ كِسْرٰى (٤)

"میں اُن لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے (فتح ایران کے بعد) کسریٰ کا خزانہ کھولا"۔

رہی دوسری بات یعنی قومی دولت کی اِس قدر فراوانی کہ مسلمانوں کی آبادیوں میں صدقہ لینے والا مسکین نہ ملے' تو اگر تم زندہ رہے تو اِس کو بھی دیکھ لو گے۔ یہ تمام واقعات ہجرت سے پہلے کے ہیں' حرف بہ حرف سب پورے ہوئے اور سننے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ الَّذِىْ لَا يُخْبِرُ عَنْ شَىْءٍ اِلَّا وَيَاْتِىْ مِثْلُ فَلَقِ الصُّبْحِ

آج اِس تذکرے کی بقیہ فصول لکھنے کے لیے بیٹھا تو یکایک خیال ہوا کہ جس صادق و مصدوق نے اسلام کی پہلی غربت میں آنے والے اقبال و عروج کی یہ خبریں دی تھیں اُس کی زبانِ حق نے عین غلبہ و ظہور کے وقت یہ بھی تو فرما دیا تھا :

((بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ)) (٥)

"اسلام کی ابتدا بے کسی اور پردیسی کی مصیبتوں میں ہوئی اور قریب ہے کہ پھر ویسی ہی حالت اُس پر طاری ہو جائے' سو کیا ہی خوشی اور مبارکی ہے پردیسیوں کے لیے!"

یہ مسلم کے الفاظ ہیں بروایت ابو ہریرہ ؓ لیکن ترمذی میں بروایت عمرو بن عوف ؓ زیادہ تفصیل ہے:

((اِنَّ الدِّيْنَ بَدَءَ غَرِيْبًا وَيَرْجِعُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِىْ مِنْ سُنَّتِىْ)) (٦)

"دین کی ابتدا غربت سے ہوئی اور قریب ہے کہ پھر اسی کی طرف پلٹ آئے۔ پس کیا ہی مبارکی ہے پردیسیوں اور بے یاروں کے لیے! یہی لوگ ہیں جو اُن خرابیوں کو دور کر دیں گے جو لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں پیدا کر دی ہوں گی"۔

اور احمد و طبرانی نے مرفوعاً روایت کی :

((طُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ' قُلْنَا: وَمَا الْغُرَبَاءُ؟ قَالَ: قَوْمٌ صَالِحُوْنَ قَلِيْلٌ فِىْ نَاسٍ سُوْءٍ كَثِيْرٍ' مَنْ يَّعْصِيْهِمْ اَكْثَرُ مِمَّنْ يُّطِيْعُهُمْ)) (٧)

"مبارکی ہے غرباء کے لیے! ہم نے پوچھا غرباء کون ہیں؟ کہا صالحین کی ایک جماعت' بُرے لوگوں میں تھوڑے سے اچھے' اِن اچھوں کی بات نہ ماننے والے زیادہ

ہوں گے اُن سے جو ان کی بات مانیں گے''۔

اِس حدیث میں غربت اور غریب کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں پردیسی اور بے خانہ و وطن کے۔ مقصود یہ ہے کہ اسلام کی ابتدا ہجرت کی مصیبتوں اور مظلومیوں سے ہوئی تھی۔ عروج و اقبال کے بعد پھر ویسا ہی زمانہ آنے والا ہے۔ اُس وقت حق مغلوب ہو جائے گا' لوگ قرآن و سنت کی راہ چھوڑ دیں گے' ظلم وفساد اور بدعات و منکرات کا ہر طرف دَور دَورہ ہوگا' حق پر چلنے والے اور قرآن وسنت کی سچی اور خالص پیروی کرنے والے بوجہ قلت و بے چارگی کے ایسے ہو جائیں گے جیسے پردیسی' بے یار و مددگار مسافر۔ سارا شہر خوشحالوں سے بھرا پڑا ہے' ہر شخص اپنے عیش کدۂ وطن میں آرام و راحت کے مزے لوٹ رہا ہے' مگر اُس کے لیے نہ تو گھر ہے جہاں سر چھپائے' نہ کوئی عزیز آشنا ہے جسے دردِ دل سنائے' پرایا دیس اور پرائے لوگ۔ نہ یہ اُن کی بولی جانے نہ وہ اُس کی زبان سمجھیں۔ ایک ایک کا منہ تکتا ہے اور جی ہی جی میں رو دھو کے چپ ہو رہتا ہے : ؎

کس زبانِ مرا نمی فہمد عزیزاں چہ التماس کنم؟

ہر لحاظ سے غربت و بے کسی ہوگی۔ ایک طرف تو یہ ہوگا کہ کفار کی بھیڑ ساری دنیا پر چھا جائے گی' اُن کے مقابلہ میں مسلمان پردیسیوں کی طرح اِکّے دُکّے نظر آئیں گے۔ دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر سچے حق پرستوں اور دین الخالص کے پیروؤں کی تعداد بہت تھوڑی رہ جائے گی۔ گویا ایک پورے شہر میں باہر کے چند مسافر قَوْمٌ صَالِحُوْنَ قَلِيْلٌ فِيْ نَاسِ سَوْءٍ كَثِيْرٍ (صالحین کی ایک جماعت' بُرے لوگوں میں تھوڑے سے اچھے)۔ غربت اولیٰ میں یہی حال غربائے اسلام کا تھا۔ پہلے حبش میں اور پھر مدینہ میں بے چارگی کے بستر پر بے قراری کی کروٹیں بدلتے حضرت ابوبکرؓ کی زبان بخار کی شدت میں کھلتی تو پکارتے۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

''ہر آدمی کے لیے صبح اُس کے گھر والوں میں ہوتی ہے اور موت تو اُس کی جوتیوں کے تسمے سے بھی قریب تر ہے''۔

آنحضرت ﷺ یہ حالت دیکھتے اور دُعا فرماتے :

((اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ)) (۸)

''اے اللہ! ہمیں مدینہ سے ایسی محبت عطا کر جیسی محبت ہمیں مکہ سے ہے''۔

خدایا! پردیس میں ایسا جی لگا دے کہ ہم وطن بھول جائیں!

طائف سے جب سرورِ عالم ﷺ اِس حالت میں لوٹے کہ قبیلہ ثقیف کی سنگ باری سے پیشانی اقدس کا خون پائے مبارک کو رنگین کر رہا تھا تو بے اختیار یہ جملے زبان پر طاری ہو گئے :

((اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ)) (۹)

''خدایا اور کس کے آگے کہوں؟ تیرے ہی سامنے بے چارگی کی فریاد ہے اور بے سروسامانی کا شکوہ!''

تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

تو معلوم ہوا کہ ایسا ہی حال اِس دوسری غربت میں بھی ہونے والا تھا جس کی اِس حدیث میں خبر دی گئی اور اُسی کا ارشاد تھا :

((وَاِنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّہٗ لَا یُرَدُّ وَاِنِّیْ اَعْطَیْتُکَ لِاُمَّتِکَ اَنْ لَّا اُھْلِکَھُمْ بِسَنَۃٍ عَامَّۃٍ وَاَنْ لَّا اُسَلِّطَ عَلَیْھِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوَی اَنْفُسِھِمْ یَسْتَبِیْحُ بَیْضَتَھُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَیْھِمْ مَنْ بِاَقْطَارِھَا اَوْ قَالَ مَنْ بَیْنَ اَقْطَارِھَا حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُھُمْ یُھْلِکُ بَعْضًا وَیَسْبِیْ بَعْضُھُمْ بَعْضًا)) (۱۰)

''میں نے اللہ سے اپنی اُمت کے لیے دعا کی تھی کہ خود اُن کے سوا اُن پر اور کوئی دشمن مسلط نہ ہو اور کوئی ایسی عام ہلاکت نہ آئے کہ قوم کی قوم ہلاک ہو جائے' تو اللہ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا! تیری اُمت پر کبھی ایسی عام و ہمہ گیر ہلاکت نہ آئے گی اور نہ کبھی اُن پر کوئی دشمن اِس طرح مسلط ہوگا کہ ان کی بیخ و بنیاد اکھاڑ ڈالے سوائے اِس کے کہ وہ خود ہی اپنے دشمن ہوں گے اور خود ہی اپنے آپ کو دشمنوں کی طرح تباہ کریں گے' یعنی ایک گروہ اُن میں سے دوسرے گروہ کو قتل کرے گا''۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا :

((وَاِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیَ الْاَئِمَّۃَ الْمُضِلِّیْنَ وَاِذَا وُضِعَ السَّیْفُ فِیْ اُمَّتِیْ لَمْ یُرْفَعْ عَنْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیَ الْاَوْثَانَ وَاِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعُمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِی عَلَی الْحَقِّ [قَالَ ابْنُ عِیْسَی ظَاهِرِیْنَ ثُمَّ اتَّفَقَا] لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ)) (۱۱)

''مجھ کو بڑا خوف گمراہ کرنے والے پیشواؤں سے ہے اور جب ایک مرتبہ میری اُمت میں باہمی خونریزی شروع ہوگئی تو پھر قیامت تک نہ رُکے گی۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایسا نہ ہو کہ میری امت میں سے کئی گروہ مشرکوں سے جاملیں گے اور ایسا ہوگا کہ کئی گروہ بتوں کو پوجیں گے۔ اور ضرور ہے کہ میری اُمت میں تیس جھوٹے مدعی نبوت کے پیدا ہوں حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ بایں ہمہ ایک جماعت اِس امت میں ہمیشہ حق پر رہے گی۔ مخالفین حق اُس کو نقصان نہ پہنچاسکیں گے یہاں تک کہ امرالٰہی ظاہر ہو۔''

اُسی صادق ومصدوق ﷺ کا ارشاد تھا:

((لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ، قُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی؟ قَالَ فَمَنْ؟)) (۱۲)

''تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ضرور ہے کہ تم اُن کے سارے طریقوں اور چالوں کی ہو بہو پیروی کرو یعنی اُن کی ساری گمراہیاں اختیار کرلو گے۔ صحابہؓ نے کہا: کیا یہود و نصاریٰ کی؟ فرمایا: ہاں اور کون؟''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

((اِقْرَؤُوْا اِنْ شِئْتُمُ الْقُرْآنَ: ﴿كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً﴾ (التوبة:٦٩) قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمَا فَعَلَتْ فَارِسُ وَالرُّوْمُ؟ قَالَ: فَمَا النَّاسُ اِلَّا هُمْ)) (۱۳)

''جی چاہے تو اِس آیت کو اِس موقعہ پر یاد کرلو: ''وہ قومیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں (بالآخر اپنی گمراہیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئیں) حالانکہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور اور متمدن تھیں''۔ صحابہؓ نے عرض کیا: کن پچھلی قوموں کی چال چلیں گے؟ فارس وروم (اور اہل کتاب) کی؟ فرمایا: ہاں، وہی لوگ ہیں اور کون؟''

حاصل یہ کہ اِس امت میں اہل کتاب کی مغضوبیت اور عجمی ورومی اقوام کے مہلک وگمراہ علوم و تمدن دونوں کی نقالی اور پوری پوری ریس ہوگی۔ مسلمانوں کے اندر ضلالت کی اِن دونوں قسموں سے پوری مشابہت ومماثلت پیدا ہوجائے گی۔ (تفصیل اِس کی ''رسالہ شرح فتنتین عظیمتین'' میں دیکھنی چاہیے)۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد تھا :

((فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا)) (۱۴)

''آخری زمانے میں ایسے فتنے ہیں جیسے اندھیری رات کی اندھیاری۔ صبح کو ایک آدمی مؤمن ہوگا' شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کافر۔''

یعنی ایمان میں ثبات و استقامت باقی نہ رہے گی۔ گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ۔ مسلم میں یہی حدیث بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے:

((يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا)) (۱۵)

''رات کو ایک آدمی مؤمن سوئے گا' صبح اٹھے گا تو کفر میں مبتلا ہو جائے گا' اپنے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالے گا۔''

يَبِيعُ دِينَهُ نے يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا کے معنی بتلا دیے۔ اُسی صادق و مصدوق ﷺ کا فرمان تھا :

((يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا' فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ' وَلَيَنْزَعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ' فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)) (۱۶)

''ایسا ہوگا کہ دنیا کی قومیں تم سے لڑنے کے لیے اکٹھی ہو جائیں گی اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے بھوکے ایک دوسرے کو کھانے پر بلاتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا: یہ اس لیے ہوگا کہ ہم اُس وقت تھوڑے ہوں گے (اور دشمن بہت زیادہ)؟ فرمایا: نہیں 'مسلمان تو اُس وقت بہت ہوں گے مگر ایسے ہو جائیں گے جیسے دریا کے بہاؤ پر کوڑا کرکٹ (جو جس طرف بہہ رہا ہے' بہہ جائے گا)۔ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وَہن پیدا ہو جائے گا' کسی نے پوچھا وَہن کیا ہے؟ فرمایا دنیا کا عشق اور راہِ حق میں موت کو ناخوش جاننا اور اس سے بھاگنا۔''

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:

((اِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَاِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ)) (۱۷)

''بلاشبہ یہود و نصاریٰ ٹوٹ پھوٹ کر بہتر فرقے ہو گئے تھے۔ ضرور ہے کہ یہ اُمت بھی اِسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تہتر فرقوں میں بٹ جائے''۔

اور اُسی کا قول تھا :

((لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰى تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ حِيْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اَنَّ ذٰلِكَ تَامًّا؟ قَالَ: اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ.....)) (۱۸)

''قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ پھر لات اور عزیٰ کی پوجا ہو''۔ حضرت عائشہؓ نے کہا جب یہ آیت اتری: ﴿هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ ..... لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ دینِ حق تمام دینوں پر غالب ہو جائے اگرچہ مشرکین اس بات کو ناپسند کریں) تو میں نے خیال کیا تھا کہ اب دینِ توحید ہی آخر تک رہے گا' مگر یہ بات کیونکر ہو گی؟ فرمایا: ''ہاں یہ رہے گا جب تک اللہ چاہے گا.....''

اور اُسی نے یہ خبر بھی دے دی تھی :

((اِذَا كَانَ اُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَاَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَائَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَاِذَا كَانَ اُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَائَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا)) (۱۹)

''جب تک تم میں سے بہتر اور نیک لوگ تمہارے امیر ہوں گے' تمہارے مالدار سخی ہوں گے اور تمہارے معاملاتِ حکومت باہم مشورہ سے انجام پائیں گے (یعنی عجمیوں کی سی شخصی حکومت و فرمانروائی نہ ہو گی' خلافتِ راشدہ کے منہاجِ نبوت پر حکومتِ شوریٰ ہو گی) تو زمین کا ظاہر تمہارے لیے بہتر ہو گا اُس کے باطن سے (یعنی دُنیا میں رہنا تمہارے لیے عزت و کامیابی کا موجب ہو گا)۔ لیکن جب ایسا ہو کہ تمہارے امیر بدترین لوگ ہوں' تمہارے مالدار بخیل ہو جائیں اور تمہاری حکومت عورتوں کے اختیار

میں چلی جائے تو پھر زمین کا اندر تمہارے لیے اچھا ہوگا بمقابلہ اس کی سطح کے (یعنی زندگی میں عزت باقی نہ رہے گی' مرجانا ہی بہتر ہوگا)''۔

وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَائِکُمْ سے یہ مقصود نہیں ہے کہ عورتیں بادشاہ ہوں' نہ یہ مقصد ہے کہ عورتوں کے مشورے سے کام انجام پائیں' بلکہ یہ اشارہ ہے شاہانِ نفس پرست اور اُمراء وعمال کی حرم سراؤں کی زندگی کی طرف۔ گویا سررشتۂ حکومت مجلس شوریٰ اور اصحابِ حل وعقد کی جگہ حرم سرا کے عشرت خانوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا' عورتیں جس چال چاہیں گی چلائیں گی۔

اور پھر اسی لسانِ حق وصدق پر یہ پیشین گوئی جاری ہوئی تھی :

((کَیْفَ بِکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ اِذَا طَغٰی نِسَاؤُکُمْ 'وَفَسَقَ فِتْیَانُکُمْ ؟ قَالُوْا :یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'اِنَّ ھٰذَا لَکَائِنٌ ؟ قَالَ : نَعَمْ' وَاَشَدُّ مِنْہُ' کَیْفَ بِکُمْ اِذَا تَرَکْتُمُ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ' وَالنَّھْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ ؟' قَالُوْا :یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ھٰذَا لَکَائِنٌ ؟ قَالَ : نَعَمْ' وَاَشَدُّ مِنْہُ' کَیْفَ بِکُمْ اِذَا رَاَیْتُمُ الْمُنْکَرَ مَعْرُوْفًا' وَالْمَعْرُوْفَ مُنْکَرًا؟))(۲۰)

''کیا حال ہوگا تمہارا جب تمہاری لڑکیاں مبتلائے فسق ہوں اور تمہاری عورتیں سرکش؟ (یعنی جب کہ تمہارے گھر کے اندر کی زندگی بھی خراب ہوجائے اور عورتیں تک مبتلائے فسق وفجور رہوں)''۔ لوگوں نے عرض کیا: کیا یہ بات بھی ہونے والی ہے؟ فرمایا: ''ہاں' بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ کیا حال ہوگا تمہارا جب تم بھلائی کا حکم نہ دوگے اور برائی سے نہ روکو گے؟'' عرض کیا گیا: کیا یہ بھی ہوگا؟ فرمایا!' ''ہاں' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیا حال ہوگا اُس وقت جب کہ تم نیک بات کو برا سمجھو گے اور برائی کو اچھا''؟ عرض کیا: کیا یہ بھی ہوگا؟ فرمایا: ''ہاں!''

یعنی قوموں کی ہلاکت کے بتدریج تین درجے ہیں' ہر پچھلا درجہ پہلے سے اشد۔ پہلا یہ کہ خود نیکی کا شوق باقی ہو لیکن دوسروں کو نیک بنانے کا ولولہ جاتا رہے' یہ ہلاکت کا بیج ہے۔ اس کے بعد دوسرا دور آتا ہے' اب ایسا ہوتا ہے کہ نہ تو خود نیک راہ پر چلتے ہیں نہ دوسروں کو چلنے دیتے ہیں اور حق کو علانیہ روکتے ہیں' یہ تخمِ فساد کے پھول پتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرا دور آتا ہے' اب نیک وبد اور حق وباطل کا نظام بالکل اُلٹ جاتا ہے' باطل کو حق سمجھا جاتا ہے اور حق کو باطل' یہ فساد کا آخری پھل ہے اور اس کا زہر تمام قوم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پھر یہی وہ لوٹ لوٹ کر آنے والی نحوستیں اور رہ رہ کر ابھرنے والی ہلاکتیں تھیں' جن کی نسبت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے (

سب سے زیادہ فتنوں اور فسادوں کے جاننے والے تھے) پوچھا تھا: كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ؟ ''ہم جاہلیت کے شر میں مبتلا تھے اللہ نے اسلام کی روشنی پھیلائی' پھر کیا اِس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! مگر اِس کے بعد خیر کا بھی ایک دور ہے لیکن فِيهِ دَخَنٌ بے میل خیر' مثلِ خیرِ اوّل کے نہ ہوگا' کچھ کدورتیں بھی ملی ہوں گی''۔ دریافت کیا: وہ کدورتیں اور میل کیا ہے؟ فرمایا:

((قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِي وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ))

''لوگ میری سنت چھوڑ کر اوروں کے طور طریق پر چلیں گے' میری ہدایت سے ہٹ کر دوسروں کی چال اختیار کرلیں گے۔ کچھ باتیں اُن کی اچھی پاؤ گے اور کچھ بری''۔

پھر پوچھا: اِس خیر کے بعد شر ہوگا؟ فرمایا:

''ہاں' دُعَاةٌ عَلٰى اَبْوَابِ جَهَنَّمَ دوزخ کی طرف بلانے والے!''

آخر میں بتلایا کہ راہ سلامتی کی اُس وقت یہ ہوگی کہ جماعت اور امام کا ساتھ دو اور جب وہ وقت آئے کہ جماعت بھی باقی نہ رہے اور مختلف فرقوں اور مذہبوں میں مسلمان بٹ جائیں تو:

((فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ عَلٰى اَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ)) (۲۱)

''اِن تمام فرقوں سے الگ ہو کر رہو' (یعنی صرف دین خالص واوّل کے ہو کر رہو جو کہ اسلام ہے اور تمام بناوٹی فرقوں اور مذہبوں میں سے کسی کو بھی اختیار نہ کرو کیونکہ فرقہ بندی اور تمذہب وتعین خود سب سے بڑا شر اور سب سے اشد بدعت ہے) اگر چہ ایسا کرنے میں تمہاری غربت اور بے کسی کا یہ حال ہو جائے کہ درخت کی جڑ چبا کر وقت کاٹنا پڑے پھر بھی اُن سے الگ ہی رہو یہاں تک کہ موت آجائے''۔

اور یہی وہ آنے والے پے در پے فتنے تھے جن کا حال عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما خانہ کعبہ کے سائے میں بیٹھ کر بیان کیا کرتے تھے اور جن میں سے ہر پچھلا فتنہ پہلے فتنے کو بھلا دینے والا تھا۔

((وَاِنَّ اُمَّتَكُمْ هٰذِهٖ جُعِلَ عَافِيَتُهَا فِيْ اَوَّلِهَا وَسَيُصِيْبُ آخِرَهَا بَلَاءٌ وَّاُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا وَتَجِيْءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَتَجِيْءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ هٰذِهٖ مُهْلِكَتِيْ ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِيْءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ هٰذِهٖ هٰذِهٖ)) (۲۲)

''اِس اُمت کی ابتدا میں عافیت ہے اور آخری عہدوں میں مصیبتیں اور برائیاں۔ ایسا ہوگا کہ ایک فتنہ آئے گا اور مومن کہے گا کہ اِس میں میرے لیے ہلاکت ہے' لیکن جب وہ دور ختم ہو جائے گا اور دوسرا فتنہ شروع ہوگا تو پچھلے فتنے کو بھلا دے گا اور مؤمن پکار اٹھے گا کہ فتنہ تو یہ ہے' فتنہ تو یہ ہے''۔

یعنی پے در پے فتنے آئیں گے' ہر پچھلا فتنہ پہلے سے سخت و اشد ہوگا' یہاں تک کہ اُن میں سے ہر فتنہ کو دیکھ کر اربابِ حق و ایمان بول اٹھیں گے کہ سب سے بڑا فتنہ یہی ہے۔ حالانکہ پھر اِس کے بعد وہ فتنہ آئے گا جس کا شر و فساد دیکھ کر پچھلے فتنے بھول جائیں گے۔ یقیناً ایسے ہی وقتوں کی نسبت وہ خبر بھی تھی جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے سامنے بار بار فرمایا کرتے تھے اور یہ کہہ کر اپنی روایت کی صداقت پر یقین دلاتے تھے :

فَوَاللّٰهِ لَاَنْ اَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَکْذِبَ عَلَیْهِ'..... اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ ((سَیَخْرُجُ قَوْمٌ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ یَقُوْلُوْنَ مِنْ خَیْرِ قَوْلِ الْبَرِیَّةِ، یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ' لَا یُجَاوِزُ اِیْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ)) (۲۳)

''قسم خدا کی! مجھے یہ پسند ہے کہ آسمان سے گرا دیا جاؤں' لیکن یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے نام سے ایسی روایت کروں جو اُنہوں نے نہیں فرمائی..... میں نے خود سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں نوخیز اور ناقص العقل لوگوں کی ایک قوم ظاہر ہوگی۔ بظاہر اُن کی باتیں بڑے ہی اچھے لوگوں کی سی ہوں گی' قرآن پڑھیں گے مگر ایمان اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا' دین سے اِس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار پر سے نکل جاتا ہے''۔

یعنی گو اپنے تئیں مسلمان سمجھیں گے لیکن اُن میں اسلام نہ ہوگا۔ کوئی وجہ نہیں کہ اِس روایت کو صرف خوارج سے مخصوص کر دیا جائے اور لفظ ''آخر الزمان'' کی تاویل کی جائے۔ صاف بات یہ ہے کہ اِس میں آخری زمانے ہی کے مبتدعین و اہل ہوا کی نسبت خبر دی گئی ہے ''سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ'' خاص طور پر اِس لیے فرمایا کہ اِن لوگوں کو اپنی عقل و رائے اور قیاس و درایت پر بڑا گھمنڈ ہوگا' کہیں گے کہ ہم عقلاء و حکماء کی سی باتیں کرتے ہیں۔ (اِعْجَابُ کُلِّ ذِیْ رَأْیٍ

بَرَائِہٖ) ایسے ہی لوگوں میں پہلی بڑی جماعت خوارج کی بھی تھی جنہوں نے رائے کو دین میں دخل دیا اور امام کی اطاعت سے باہر ہو گئے۔ اِسی لیے حضرت علیؓ اور اکثر صحابہ ؓ اُنہی لوگوں کو اِس کا مصداقِ اوّل سمجھتے تھے۔ مسلم کی حدیثِ زید بن وہب اور صحیحین وابوداؤد کی روایتِ ابوسعید وانس میں گو ''آخر الزمان'' کا لفظ نہیں ہے مگر حرفِ استقبال قرب و بعد دونوں پر حاوی ہے۔ انبیائے کرامؑ کے لیے سینکڑوں برس بعد ہونے والی باتیں بھی بوجہ کمالِ یقین و مشاہدۂ معنوی ایسی ہوتی ہیں جیسے ہمارے لیے صبح وشام کی بات۔ جہاں

((اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا)) (۲۴)

''اللہ نے میرے لیے زمین لپیٹ دی اور میں نے اُس کے تمام مشرق ومغرب دیکھ لیے''۔

کے معاملات پیش آتے ہوں اور ((اِنِّیْ وَجَدْتُّهَا قَرِيْبًا اِنْ اَنْتُمْ تَجِدُوْنَهَا بَعِيْدًا)) (میں اُسے قریب دیکھتا ہوں جبکہ تم اُسے دور دیکھ رہے ہو) جہاں کی صدائے علم ہو وہاں کے لیے ''سیکون'' اور ''کان'' اور مستقبل و ماضی دونوں ایک ہی حکم رکھتے ہیں' قرب و بعد کا کیا سوال ہے؟ حتیٰ کہ بعض پیشین گوئیاں تو زبانِ نبوت پر بصیغہ ماضی ہی واقع ہوئیں۔ مسلم کی روایتِ ابوہریرہ ؓ میں عراق وشام کی نسبت فرمایا:

((مَنَعَتِ الْعِرَاقُ دِرْهَمَهَا وَقَفِيْزَهَا وَمَنَعَتِ الشَّامُ مُدْيَهَا وَدِيْنَارَهَا)) (۲۵)

عالمِ یقین وحقائق میں تفرقۂ ماضی واستقبال نہیں ہوتا۔ کیا نہیں دیکھتے کہ قرآنِ حکیم' عالم آخرت ومعاد کے معاملات ہر جگہ بصیغۂ ماضی بیان کرتا ہے اور گو ساٹھ برس بعد بابل تباہ ہونے والا تھا مگر یرمیاہ نبیؑ نے یہ نہیں کہا کہ ہو جائے گا بلکہ کہا کہ ہو چکا اور ''شہروں کی دلہن کی اوڑھنی اُس کے سر سے چھین لی گئی''۔

بہرحال جس صادق ومصدوق (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ کسریٰ کے خزانے کھل گئے اور یمن سے حضرموت تک اسلام پھیل گیا اور لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرَ ...... وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ (اللہ کی قسم' دعوتِ اسلام کا جو کام شروع ہوا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا...... لیکن تم جلدی مچا رہے ہو) تو اُسی نے یہ سب کچھ بھی فرما دیا تھا' بلکہ بقول حضرت حذیفہ ؓ کے

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ اِلٰى اَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَّعَهٗ ثَلَاثَ مِائَةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهٖ وَاسْمِ اَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهٖ (۲۶)

کسی فتنے اور فتنہ انگیز کو نہ چھوڑا' سب کی ٹھیک ٹھیک خبریں دے دی تھیں' سننے والے ہر آن اور

ہر گھڑی اِن وقتوں کی دہشت اور خوف سے مضطر اور اُداس رہتے تھے۔ باہم دگر ایک دوسرے سے پوچھا کرتے تھے کہ وہ وقت تو نہیں آ گیا؟ حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ سے بار بار کہتے: اُس فتنہ کی نسبت تو کہو "اَلَّتِی تَمُوْجُ کَمَوْجِ الْبَحْرِ" (۲۷) اور پھر یہ سن کر مطمئن ہو جاتے کہ ابھی دیوار نہیں ہٹی کہ خود اُنہی کا وجود تھا۔

سو کیا مبارک و خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہوں نے پہلی خبر کی تصدیق کی اور اُس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ "وَکُنْتُ فِیْمَنِ افْتَتَحَ کُنُوْزَ کِسْرٰی" (میں اُن لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے فتحِ ایران کے بعد کسریٰ کا خزانہ کھولا) اور کیسی بدنصیبی اور ہلاکی ہے ہمارے لیے کہ اُن پچھلی خبروں کی تصدیق کرنے والوں میں اور اُن کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں میں سے ہیں۔ بلکہ خود ہمارا وجود ہی از سر تا پا اِن خبروں کا ظہور اور اُن میں سے ہر بات کی ٹھیک ٹھیک مجسم تصدیق ہے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ نے اوّل اُمت میں وعدہ کی تصدیق کی تھی، ہم آخرِ اُمت میں وعید کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُن کے حصے میں بشارتوں کا دیکھنا آیا تھا، ہمارے حصے میں نذارتوں کا۔ اُنہوں نے بھی تصدیق کی اور ہم نے بھی، اُنہوں نے پا کر، ہم نے سب کچھ کھو کر۔ فَصَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ!

در مجلسے کہ یاراں شربِ مدام کردند
چوں نوبتے بما شد آتش بجام کردند!

حواشی (تخریجِ احادیث از ادارۂ میثاق)

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام۔
(۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔ (٤) ایضاً۔
(٥) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا وسیعود غریبا۔
(٦) سنن الترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء ان الاسلام بدأ غریبا وسیعود غریبا۔
(۷) مسند احمد، ح ٦٣٦٢ و ٦٧٧٥۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی، ح ١٦١٩۔
(۸) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب کراهیة النبی ﷺ ان تعری المدینة۔
(۹) سیرت ابن هشام۔
(١٠) صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض۔

(۱۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها۔
(۱۲) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسراء یل۔
(۱۳) مسند ابی یعلیٰ۔
(۱٤) سنن الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء ستکون فتن کقطع اللیل المظلم۔ وسنن ابی داوٗد، کتاب الفتن والملاحم، باب فی النهی عن السعی فی الفتنة۔
(۱۵) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن۔
(۱٦) سنن ابی داوٗد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام۔
(۱۷) سنن ابی داوٗد، کتاب السنة، باب شرح السنة۔
(۱۸) صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتی تعبد دوس ذاالخلصة۔
(۱۹) سنن الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء فی النهی عن سب الریاح۔
(۲۰) مسند ابی یعلی۔ومجمع الزوائد للهیثمی ۲۸۳/۷۔
(۲۱) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن۔
(۲۲) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلفاء الاول فالاول۔
(۲۳) صحیح البخاری، کتاب استتابة المرتدین والمعاندین وقتالهم،باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامة الحجة علیهم۔ وصحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج وصفاتهم۔
(۲٤) صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض۔
(۲۵) صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتی یحسر الفرات عن جبل من ذهب۔
(۲٦) سنن ابی داوٗد، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها۔
(۲۷) صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب الصدقة تکفر الخطیئة۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم:
دُعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحؑ کا مظہر

حافظ محمد مشتاق ربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپؑ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو دورانِ تعمیر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیگر دعاؤں کے ساتھ ایک اہم دُعا نبی آخر الزمان کی بعثت کے لیے بھی کی تھی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں ﴿مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ (الصف:٦) یعنی اپنے سے پہلے آنے والے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں، وہیں ﴿مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ﴾ (الصف:٦) اپنے بعد آنے والے رسول (محمد عربی ﷺ) کی خوشخبری دینے والے بھی ہیں۔ یہ دونوں باتیں آنحضور ﷺ کی عظمت اور فضیلت کے لیے نہایت اہم ہیں کہ ایک طرف آپ جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے کی دُعا کا نتیجہ ہیں اور دوسری طرف آپ کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما چکے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک عظیم المرتبت نبی کی بعثت کی درخواست پیش کرنے سے قبل اپنی نسل میں سے ایک اُمتِ مسلمہ پیدا کرنے کی دُعا کی:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ (البقرہ:١٢٨)

''پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مطیع فرمان بنائے رکھنا اور ہماری نسل میں سے ایک ایسی اُمت اُٹھانا جو تیری فرمانبردار ہو۔''

پھر آپؑ نے اس امت کی تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے ایک نبی کی بعثت کے لیے دعا کی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾﴾ (البقرۃ)

''اے ہمارے ربّ! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم میں سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انہیں باطنی طور پر پاک

صاف کر دے' یقیناً تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کو بطورِ دُعا تو نہیں' لیکن انسانیت' اہلِ ایمان اور اُمیین (وہ اہلِ عرب جن کی طرف آپؐ اوّلین طور پر مبعوث ہوئے) پر آپؐ کی بعثت بطورِ نعمت ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم میں دیگر تین مقامات پر' تین مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے:

۱) ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۵۱)

''جس طرح (تمہیں اس چیز سے فلاح نصیب ہوئی کہ) ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا۔''

۲) ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾(آل عمران:۱٦٤)

''درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔''

۳) ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعۃ:۲)

''وہی تو ہے جس نے اُمیین میں انہی میں سے (آنجنابؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا۔''

مذکورہ بالا آیات کے ان افتتاحی کلمات کے بعد نبی اکرم ﷺ کے لیے جو صفات وارد ہوئی ہیں' بعینہٖ وہی صفات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا اور ان مقامات میں وارد صفات کی ترتیب میں قدرے فرق ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا میں پہلے تلاوتِ آیات' پھر تعلیم کتاب وحکمت اور آخر میں تزکیۂ نفس کا ذکر ہے' جس میں یہ حکمت دکھائی دیتی ہے کہ تزکیۂ نفس تعلیم کتاب وحکمت کا نتیجہ ہے' جبکہ ان آیاتِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کے لیے جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں پہلے تلاوتِ آیات' پھر تزکیۂ قلوب اور آخر میں تعلیم کتاب وحکمت کا ذکر ہے۔ اس ترتیب سے اس بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ قرآن حکیم سمجھنے کی دولت تزکیۂ نفس حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے آنحضور ﷺ کی بعثت کے لیے جو دُعا کی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت قبول فرمالی تھی' لیکن اس کی عملی قبولیت قریب قریب ۲۵۰۰ سال بعد ہوئی۔ آپؐ کی آمد کی خوشخبری حضرت ابراہیمؑ کے بعد آنے والے کئی انبیاء کرام علیہم السلام نے پیش کی' لیکن قرآن حکیم میں صرف حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

''اس نبی کو وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

اہلِ علم نے آنحضور ﷺ کی آمد کے سلسلے میں حضرت موسیٰؑ کی کئی خوشخبریاں نقل کی ہیں جو سیرت کی کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہیں' لیکن قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی آمد کی خوشخبری واضح الفاظ میں دی:

﴿وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ (الصف:٦)

''اور میں بشارت سناتا ہوں ایک پیغمبر کی جو میرے بعد آئیں گے' جن کا نام احمد ہوگا۔''

''احمد'' افعل کے وزن پر ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد وثنا کرنے والا۔ احمد نبی کریم ﷺ کے اسماءِ مبارکہ میں سے ایک نام ہے۔ شاعرِ اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی آپؐ کے اس نام کو اپنے شعر میں استعمال کیا ہے:

صلّی اللّٰہُ ومن یحفّ بعرشہ
والطیّبون علی المبارك احمد

''اللہ اور اس کے عرش کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں نے اور سب پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت احمد پر درود بھیجا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر (جو سورۃ الصف میں بیان ہوا) کئی نصاریٰ کے علم میں بھی تھا' جیسا کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جب حبشہ گئے اور نجاشی کو اسلام کی برکات بتاتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مبارکہ کے بارے میں اسلام اور مسلمانوں کا اصولی موقف بیان کیا تو نجاشی بولا: ''مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو' میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں' اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم نے دی تھی۔''

امام سیوطی نے جامع الصغیر میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

((اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَبَشَارَةُ عِیْسٰی بِیْ وَرُؤْیَا اُمِّی الَّتِیْ رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْ اَنَّهٗ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرٌ اَضَاءَتْ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ .....))

''میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ

کے خواب کا مظہر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آنحضور ﷺ کی آمد کے بارے میں خوشخبری کا ذکر صرف قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر میں ہی نہیں بلکہ اناجیلِ اربعہ میں بھی کئی مقامات پر ملتا ہے۔ حال ہی میں انگریزی زبان میں عبدالستار غوری کی کتاب ''Muhammad Foretold in the Bible by name'' شائع ہوئی ہے' جس میں بڑی عرق ریزی سے وہ مقامات نکالے گئے ہیں جن میں آنحضور ﷺ کی شخصیت کا صراحت سے ذکر ہے۔ خاص طور پر ''انجیل برنباس'' میں کثرت سے آپؐ کی آمد کی خوشخبریاں موجود ہیں۔ یہ انجیل' اناجیل اربعہ میں شامل تو نہیں ہے لیکن دوسری اناجیل کی نسبت زیادہ قابل اعتبار ہے۔ اس انجیل کو اپنی امکانی حد تک چھپانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے لیکن پھر بھی یہ منظر عام پر آ گئی ہے۔ اس انجیل میں ایک باب (۷۲) ''Signs of the Messenger'' ہے' جس میں سے ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے۔ اس انجیل میں سے اقتباسات جس زبان میں چاہے نقل کریں' وہ ترجمہ در ترجمہ ہی ہوگا' کیونکہ اصل انجیل سُریانی زبان میں تھی اور یہ زبان اب معدوم ہو چکی ہے۔ انجیل برنباس کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''(میرے جانے سے) تمہارا دل پریشان نہ ہو' نہ تم خوف کرو' کیونکہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق' جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' وہی تمہاری حفاظت کرے گا۔ رہا میں' تو میں اِس وقت دنیا میں اُس رسولِ خدا کے لیے راستہ ہموار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لیے نجات لے کر آئے گا..... اندریاس (Andrew) نے کہا: اُستاد ہمیں اس کی نشانی بتا دے تاکہ ہم اسے پہچان لیں۔ حضرت مسیحؑ نے جواب دیا' وہ تمہارے زمانے میں نہیں آئے گا بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا جبکہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہوگی کہ مشکل سے کوئی تیس آدمی مؤمن باقی رہ جائیں گے۔ اُس وقت اللہ دُنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنے رسول کو بھیجے گا جس کے سر پر سفید بادل کا سایہ ہو گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ جانا جائے گا اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت دنیا کو حاصل ہوگی۔ وہ بے خدا لوگوں کے خلاف بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا اور بت پرستی کو مٹا دے گا۔ اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے ہمارا الٰہ پہچانا جائے گا اور اس کی تقدیس ہوگی اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے..... وہ ایک ایسی

صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور بشارتِ مسیح علیہ السلام سے پتا چلتا ہے کہ انسانیت نبی کریم ﷺ کی پیدائش اور ظہور کے لیے عرصہ دراز تک منتظر رہی ہے' کیونکہ آسمانی کتب تورات اور انجیل وغیرہ میں واضح طور پر آپؐ کی علامات بیان ہوئیں' جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (البقرہ: ۱۴۶)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی' وہ اُس کو (آنجنابؐ کو) ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔''

لیکن ان واضح تعلیمات اور علامات کے باوجود اکثر اہل کتاب آپؐ پر ایمان لانے سے محروم رہے۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ دنیا میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کے لیے اپنے حسن اخلاق سے متاثر کریں۔ قرآن حکیم کی بنیاد پر ان کے عقائد کی اصلاح کریں اور ان کی کتابوں میں آپؐ کی رسالت کے بارے میں جو حوالے آئے ہیں' ان کے بارے میں انہیں متعارف کروائیں' کیونکہ انسانیت اِس وقت شدید طور پر ہدایت کی پیاس محسوس کر رہی ہے۔

مزید برآں نبی آخر الزماں ﷺ کی ختم نبوت اور تکمیل رسالت کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ پر بحیثیتِ مجموعی شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے' اُمت کو اس کی ادائیگی کی فکر کرنا چاہیے۔ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ اس شہادت کی عملی صورت محمد عربی ﷺ کے لائے ہوئے نظامِ عدلِ اجتماعی کو عالم اسلام کے کسی ایک ملک ہی میں قائم کر کے' اسے دنیا کے لیے مینارۂ نور بنا کر پیش کی جائے۔ یہ نظام نوعِ انسانی کی شدید ترین احتیاج ہے جو افراط وتفریط کے دھکے کھا کر تنگ آ چکی ہے۔ ❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا ایک جامع خطاب

نمازِ پنجگانہ کی اہمیت وفضیلت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

توحید ورسالت کا اقرار کرنے کے بعد مسلمان کا اوّلین فرض نماز پنجگانہ کی ادائیگی ہے۔ نماز بندے کے تعلق مع اللہ کو تازہ رکھتی ہے۔ بندہ جب ایک دن میں وقفے وقفے سے پانچ مرتبہ کھڑا ہوتا ہے' اپنی زبان سے خالقِ کائنات کی مناجات کرتا ہے' اپنے اعضاء وجوارح کو اظہارِ بندگی میں جھکاتا اور نیازمندی کے ساتھ اپنی پیشانی کو ربّ العالمین کے سامنے زمین پر ڈال دیتا ہے تو اس کا یہ عمل اسے احکامِ خداوندی کی پابندی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس کے سامنے یہ حقیقت مستحضر رہتی ہے کہ جس بندگی کا اظہار اس نے دورانِ نماز کیا ہے وہ اس کی عملی زندگی میں بھی نظر آنا چاہیے۔ صحت مند نماز وہی ہے جو انسان کو نیکی کے کاموں پر آمادہ کرے اور برائی سے روکے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت:٤٥)

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے''۔

نماز بندے اور رب کے درمیان گہرا رابطہ ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں کہ نماز مؤمن کی معراج اور اللہ کی محبت اور رحمت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ اگر نماز پورے آداب کے ساتھ ادا کی جائے تو بندہ انوارِ الٰہی کی موجوں میں ڈوب کر گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ نماز مسلمان کا وہ عمل ہے جو اسے اللہ کی یاد میں منہمک رکھتا اور اس پر غفلت طاری نہیں ہونے دیتا۔ نماز کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اسے ایمان اور اسلام کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ معروف تابعی عبداللہ بن شقیق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ)) (صحیح مسلم)

''بندے اور کفر وشرک کے درمیان صرف نماز حائل ہے''۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ))

(سنن الترمذی و سنن النسائی)

''ہمارے اور کافروں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے' پس جس نے نماز کو چھوڑ دیا اُس نے کفر کیا۔''

گویا نماز کی پابندی مسلمان کی زندگی کا دائمی پروگرام ہے' جس سے اُس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ قائم رہتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ (طٰہٰ) ''اور نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔''

یعنی نماز سراسر اللہ کی یاد ہے۔

دنیا میں خالقِ کائنات کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ دین اسلام ہے۔ آدم علیہ السلام زمین پر پہلے انسان تھے' وہ بھی دین اسلام پر تھے اور اس کے بعد بھی تمام انبیاء و رسل نے اسلام ہی کی تعلیم دی' اسی بنا پر انبیاء کے ساتھی ہر زمانے میں مسلمان کہلائے۔ یہ دین رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہوا اور رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ٹھہرے۔ آپؐ پر نازل ہونے والا اللہ کا کلام قرآن مجید کی صورت میں آج بھی اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اب دنیا کے ہر انسان کے لیے فلاح صرف اور صرف اسلام میں ہے' اسلام کے علاوہ کوئی بھی طرزِ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل عمران)

''اور جو بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور طرزِ زندگی اختیار کرے گا وہ اللہ کے ہاں ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

اور اسلام میں نماز کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں' کیونکہ اس کا حکم قرآن مجید میں ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ'' کی صورت میں متعدد مرتبہ موجود ہے۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے' اسے تو کوئی حاجت نہیں' اس نے جو نماز کی تاکید کی ہے تو وہ صرف اپنے بندوں پر مہربانی کے لیے ہے کہ اس میں دینی' دنیاوی' ظاہری اور باطنی فائدے ہی فائدے ہیں۔ ظاہر ہے جو اس عبادت سے روگردانی کرے گا تو وہ خود ہی سخت نقصان میں رہے گا۔ آیئے یہاں نماز پنجگانہ کی پابندی

کے ثمرات کا جائزہ لیں۔

نماز کے ظاہری فوائد

نماز کی ادائیگی کے لیے وضو ضروری ہے اور وضو کرتے وقت انسان اپنے اعضاء کو دھوتا ہے اور صفائی و پاکیزگی حاصل کرتا ہے' جس سے نہ صرف انسان صاف ستھرا رہتا ہے بلکہ تازگی محسوس کرتا اور فرحت پاتا ہے۔ مشہور ہے کہ صفائی میں خدائی ہے۔ صاف ستھرا رہنے والا انسان موذی امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''بھلا یہ تو بتاؤ اگر کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گی؟'' صحابہ نے عرض کیا بالکل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہی مثال نماز پنجگانہ کی ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمام خطائیں معاف کر دیتا ہے۔''

وضو کرتے وقت مسواک کی تاکید ہے۔ جو شخص ایک دن میں پانچ مرتبہ مسواک کے ساتھ دانت صاف کرے تو وہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہے گا' کیونکہ اکثر بیماریاں دانتوں کے اندر اٹکی ہوئی خوراک کے ذروں میں پیدا ہونے والے جراثیم ہی سے لاحق ہوتی ہیں۔

اسی طرح نماز ہلکی پھلکی ورزش بھی ہے جس میں جسم کے تمام اعضاء حصہ لیتے ہیں۔ مسلسل حرکت میں رہنے کی وجہ سے اعضاء میں سستی پیدا نہیں ہوتی اور انسان چست اور آمادہ بہ کار رہتا ہے۔ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے' چنانچہ نماز کی عادت پابندیٔ وقت کی اچھی خصلت پیدا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں نمازی جب مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے وقت امام کی اقتدا میں رکوع و سجود کرتا ہے تو اس کے اندر ڈسپلن پیدا ہوتا ہے جو اس کی زندگی کے معمولات کو خوش گوار بنا دیتا ہے۔ جب ایک گلی محلے کے لوگ پانچ وقت مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں' باہم الفت پیدا ہوتی ہے' ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہو کر دوسروں کے لیے تقویت کا باعث بنتے ہیں۔

جمعہ کے روز نماز ظہر کی بجائے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے' جس میں نماز سے پہلے وعظ و نصیحت پر مبنی خطبہ ہوتا ہے جس کا سننا لازمی ہے۔ اس خطبے سے انسان کو دین سے واقفیت اور اچھے اخلاق کی تعلیم ملتی ہے' جس سے نیکی کرنے کا جذبہ اُبھرتا اور گناہوں سے بچنے کا داعیہ پیدا

ہوتا ہے۔

نماز کے باطنی وروحانی فوائد

نماز کے لیے وضو ضروری ہے۔ وضو جس طرح ظاہری صفائی اور طہارت کا موجب ہے اسی طرح یہ روحانی ترقی اور باطنی پاکیزگی بھی پیدا کرتا ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ)) (متفق علیہ)

''جس شخص نے وضو کیا اور خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے سارے گناہ اس کے جسم سے نکل جائیں گے یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی''۔

وضو ایک نیک عمل ہے اور ہر نیک عمل گناہوں کو مٹانے کا سبب ہوتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (ھود:۱۱٤)

''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ)) (صحیح مسلم)

''کیا میں تم کو وہ اعمال نہ بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجے بلند فرماتا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ضرور بتلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تکلیف اور ناگواری کے باوجود پوری طرح کامل وضو کرنا' مسجدوں کی طرف کثرت سے قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا' پس یہی ہے حقیقی رباط اور یہی ہے اصلی رباط (نگہبانی)۔''

گویا وضو اور نماز کی برکت سے گناہ مٹتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

مسواک وضو کی سنت ہے۔ مسواک جہاں دانتوں کی صفائی کا باعث ہے وہاں اللہ تعا

کوخوش کرنے والا عمل ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ)) (رواه الشافعی واحمد والدارمی والنسائی وروی البخاری فی صحیحه)

''مسواک منہ کو پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے''۔

وضو اور وضو کے دوران مسواک' دو ایسے عمل ہیں جو روحانی ترفع' ثواب اور بلندیٔ درجات کا موجب ہیں۔ جب نماز کی تیاری کا عمل اس قدر باعثِ برکت اور فوائد کا حامل ہے تو اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ خود نماز کس قدر فضیلت رکھتی ہے۔

نماز کے بلاوے کو اذان کہتے ہیں۔ اذان کہنا بھی بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔ جامع ترمذی میں ہے: ''جس شخص نے سات سال تک اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لیے آگ سے نجات کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے''۔ (ترمذی' ابوداؤد) اس شخص کے مقدر پر جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے جسے وہ عمل کرنے کی توفیق ملے جو اس کی عاقبت سنوار دے اور اسے آتشِ دوزخ سے رہائی کا پروانہ مل جائے۔

نماز اللہ کا ذکر ہے جو تسبیحات' تکبیرات اور اللہ کی حمد وثنا پر مبنی ہے اور اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان' سکون اور چین ملتا ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو زرِ کثیر صرف کرنے سے بھی نہیں ملتی۔ جس کے دل سے دنیا کا لالچ نکل جائے اور وہ اللہ کے ذکر میں منہمک ہوجائے تو وہ بڑا ہی نصیب والا ہے' اور یہ چیز نماز سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾﴾ (الرعد)

''یاد رکھو اللہ کی یاد سے دل تسکین پاتے ہیں۔''

جس طرح غذاؤں' دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے مخصوص اثرات ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر بھی یقیناً ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو برائیوں اور گناہوں کے ارتکاب سے روکتی ہے۔

نماز انسان کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے اور مؤمن اگرچہ اللہ کی پکڑ سے ڈرتا ہے مگر نماز کی صورت میں اللہ کا ذکر اس کی ڈھارس بندھاتا ہے اور فوز وفلاح کی امید دلاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾﴾ (الاعلیٰ)

''بلاشبہ وہ لوگ کامیاب ہوئے جنہوں نے اپنا تزکیہ کرلیا' اور جو اپنے رب کی یاد میں محو رہے اور نماز ادا کرتے رہے۔''

نماز کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ مدینہ کے منافقین بھی نماز کی پابندی کرتے تھے' کیونکہ نماز نہ پڑھنے کی صورت میں وہ نہ مسلمان سمجھے جاتے تھے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین تو پہلی صف میں بیٹھتا اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف رکھتے تو یہ آواز لگاتا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں' ان کی باتیں غور سے سنو۔

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس کا ازلی دشمن ابلیس ملعون اسے سیدھی راہ سے ہٹانے کے لیے ہر وقت سرگرم عمل ہے۔ پھر دنیا کی زندگی کے لالچ اس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور وہ برائی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ انسان کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ ہمہ وقت رب العالمین سے بخشش کا طالب رہے اور نماز کی پابندی کرے' یہ عمل اُس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ مسند احمد بن حنبل میں حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کا بندہ ایسی دو رکعت نماز پڑھے جس میں اسے غفلت بالکل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس نماز کے صلہ میں اس کے سارے سابقہ گناہ معاف فرمادے گا۔''

یہ بات ذہن میں مستحضر رہنی چاہیے کہ نماز کے یہ ظاہری اور باطنی اثرات اسی صورت میں ملتے ہیں جب نماز مسنون طریقے سے پوری توجہ' خشوع وخضوع اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) (صحیح البخاری و سنن الدارمی)

''تم نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔''

پھر یہ بات مسلّم ہے کہ صحیح اثرات اسی چیز کے نکلتے ہیں جس کے استعمال میں قواعد وضوابط کا لحاظ رکھا جائے۔ کوئی خوراک یا دوا اگر معالج کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف استعمال کی جائے گی تو اس کے فائدے نہیں ہوں گے بلکہ وہ خوراک اور دوائیں نقصان کا باعث ہوں گی۔

نماز میں غفلت کے نتائج

ان ترغیبات کے باوجود آج مسلم معاشرے میں کثرت کے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو نماز

نہیں پڑھتے' اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو پابندی نہیں کرتے۔ کچھ ایسے بدنصیب بھی ہیں جو نماز کے قیام کو ضروری نہیں جانتے اور نہ ہی ترکِ نماز کو گناہ سمجھتے ہیں' ایسے لوگوں کو موت سے قبل توبہ کر لینی چاہیے اور خدا کی رضا' گناہوں کی معافی' آخرت کی کامیابی اور عذابِ دوزخ سے بچنے کی خاطر نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا پختہ عزم کر لینا چاہیے۔ ورنہ نماز جیسا اللہ کا پسندیدہ عمل چھوڑنے سے مشرک ہو جانے کا خطرہ موجود ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الروم)

''نماز قائم کرو اور نہ ہو جاؤ مشرکوں میں سے''۔

گویا نماز قائم نہ کرنا مشرکوں کا طریقہ ہے اور مشرکوں کا داخلہ جنت میں ممنوع ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ (المائدۃ:۷۲)

''بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ نے اس پر جنت (میں داخلہ) کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے''۔

جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے تو اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے تمہیں کس چیز نے جہنم واصل کیا؟ تو وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یہ مکالمہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے:

﴿اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝.....﴾ (المدثر)

''مگر داہنی طرف والے نیک لوگ' باغہائے بہشت میں ہوں گے اور پوچھتے ہوں گے (آگ میں جلنے والے) مجرموں سے کہ کون سی چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے.....''

گویا دوزخ میں پڑے ہوئے مجرم اقرار کریں گے کہ نماز کا نہ پڑھنا اُن کے دوزخ میں جانے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے نماز کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ

يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُوْرًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ)) (رواہ احمد والدارمی والبیھقی)

''جس نے نماز کی محافظت کی تو یہ اس کے لیے قیامت کے روز نور کا سبب' ایمان کی دلیل اور ذریعۂ نجات ہوگی' اور جس نے اس کی محافظت نہ کی اس کے لیے نہ وہ نور کا سبب ہوگی نہ کمالِ ایمان کا اور نہ ہی ذریعۂ بخشش' اور وہ قیامت کے دن قارون' فرعون' ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((جُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ)) (سنن النسائی)

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔''

نماز رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ عبادت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو فرمایا:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ﴾ (طٰہٰ:۱۳۲)

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ کے اس حکم کی کما حقہ پابندی کی۔ صحت' بیماری' سفر' حضر' حتیٰ کہ جنگ کے موقع پر بھی نماز نہیں چھوڑی۔ مسلمانوں کو یہ احساس رہنا چاہیے کہ اس قدر فضیلت والے عمل کو چھوڑنا انتہائی بدنصیبی ہے۔ سب مسلمان خبردار رہیں' خود بھی نماز کی پابندی کریں اور اپنے اہل وعیال اور دوست واحباب کو بھی اس کی تلقین کرتے رہیں' کیونکہ نماز کا چھوڑنا اللہ کی نافرمانی اور اس کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ العیاذ باللہ! ❁❁

ان شاء اللہ العزیز

اسلام کا نظام حیات

کے موضوع پر

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کے مبسوط ومدلل اور فکر انگیز خطابات

آئندہ شمارے سے تسلسل کے ساتھ شائع ہوں گے!

حیا: اسلام کا امتیازی وصف

عتیق الرحمٰن صدیقی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتِ صحیحہ پر پیدا کیا ہے اور اس فطرت کو فطرۃ اللہ سے موسوم کیا ہے۔ اس کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان فطرتِ سلیمہ پر قائم رہے اور خود مختاری کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ کا بندہ بن کر رہے' اُسے اپنا رب' معبود اور مطاعِ حقیقی سمجھے اور فطری اوصاف کو پامال نہ ہونے دے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰﴾ (الروم)

''قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے' اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی' یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ))(۱)

''ہر بچہ جو کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اصل انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ اُس کے ماں باپ ہیں جو اسے عیسائی یا یہودی یا مجوسی وغیرہ بنا ڈالتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہر جانور کے پیٹ سے پورا کا پورا صحیح و سالم جانور برآمد ہوتا ہے' کوئی بچہ بھی کٹے ہوئے کان لے کر نہیں آیا۔ (بعد میں مشرکین اپنے اوہامِ جاہلیت کی بنا پر اس کے کان کاٹتے ہیں)''۔

حضرت عیاض بن حمار المجاشعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبے کے

دوران فرمایا کہ میرے رب نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

((اِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ کُلَّھُمْ وَاِنَّھُمْ اَتَتْھُمُ الشَّیَاطِیْنُ فَاجْتَالَتْھُمْ عَنْ دِیْنِھِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَیْھِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَھُمْ وَاَمَرَتْھُمْ اَنْ یُّشْرِکُوْا بِیْ مَا لَمْ اُنْزِلْ بِہٖ سُلْطَانًا)) (۲)

''میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف پیدا کیا تھا' پھر شیاطین نے آ کر انہیں دین سے گمراہ کیا اور جو کچھ میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا اسے حرام کیا اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔''

فطری اوصاف بہ تمام وکمال موجود رہیں اور انسان کج فکر اور کج رو نہ ہونے پائے' اس کے طور اطوار اور انداز کار میں فطرتِ سلیم کی پکار جاری وساری رہے' نیکی اور بدی کا شعور جو اس کے خالق نے اسے ودیعت کیا ہے اس کو بروئے کار لانے کے لیے اس کی مساعی کا تسلسل قائم رہے' تمام تر انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصود یہی تھا۔ انسان کا وہ فطری وصف جو بہت سے اخلاقی محاسن کو تابندہ رکھتا ہے اور جس سے عفت و پاکبازی کا دامن ہر داغ اور آلائش سے محفوظ رہتا ہے وہ شرم وحیا ہے۔ اسی کی بدولت اخلاق ومروّت کے پھول کھلتے ہیں اور انسان بہت سے گناہوں سے مجتنب رہتا ہے۔ یہ فطری وصف صالح تربیت سے بڑھتا ہے اور بری صحبت سے گہنا جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس کی مناسب نگہداشت کا حکم دیا ہے۔

حیا کا لغوی مفہوم

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''الحیاء کے معنی قبائح سے نفس کے منقبض ہو کر انہیں چھوڑ دینے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے حَیِیَ فھو حیٌّ واستحیا فھو مستحی اور بعض نے استحیٰ فھو مستحٍ (تخفیفِ یاء) کے ساتھ بھی نقل کیا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا﴾ (البقرۃ:۲۶) ''یقیناً اللہ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی' مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے۔'' ﴿وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الاحزاب:۵۳) ''اور اللہ سچی بات کہنے سے شرم نہیں کرتا۔'' ایک روایت میں ہے ((اِنَّ اللّٰہَ یَسْتَحْیٖ مِنْ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ اَنْ یُّعَذِّبَہٗ)) ''اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کو عذاب دینے سے شرماتا ہے''۔ (مفردات القرآن)

اللہ تعالیٰ اور حیا کا وصف

اللہ تعالیٰ خود اس وصف سے متصف ہے۔ اس ذاتِ اقدس میں اس صفت کے ہونے کا وہی مطلب لیا جائے گا جو اس کے شایانِ شان ہے' مثلاً یہ کہ وہ اپنے بدکار بندوں کو برائی کرتے دیکھتا ہے لیکن ان کو پکڑتا نہیں اور اس کے آگے جو ہاتھ پھیلاتا ہے اس کو نامراد نہیں لوٹاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عزت وجلال والے خدا کے آگے جب کوئی بندہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کچھ بھلائی مانگتا ہے تو وہ اس کو نامراد لوٹاتے ہوئے شرماتا ہے''۔(۳) البتہ جو بات حق کے خلاف ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف اللہ کی غیرت وحیا کے خلاف ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

((لَيْسَ اَحَدٌ اَغْيَرَ مِنَ اللّٰهِ' مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ))(۴)

''خدا سب سے زیادہ غیرت مند ہے' اسی لیے اس نے بدکاریوں کو حرام قرار دیا ہے''۔

نبی کریم ﷺ اور شرمیلا پن

حضور نبی کریم ﷺ میں شرم وحیا کا وصف بدرجۂ اتم موجود تھا' صحابہؓ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا)) (۵)

''رسول اللہ ﷺ پردہ نشیں کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔''

بعض موقعوں پر آپؐ کو بعض لوگوں کے طرزِ عمل سے تکلیف بھی ہوتی تھی مگر آپؐ شرم کے مارے زبان سے نہیں کہتے تھے۔ سورۃ الاحزاب میں مذکور ہے:

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ﴾ (الاحزاب:۵۳)

''تمہاری اس بات سے رسول کو ایذا پہنچتی تھی تو تم سے وہ شرماتا تھا''۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دعوتِ ولیمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے' جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن فطری حیا کی بنا پر اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ تاہم لوگوں کا اس طرح جم کر بیٹھنا آدابِ نبوت کے منافی تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل کر کے تنبیہ فرما دی۔

حیا کا توجہ طلب پہلو

حیا ایمان کا حصہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو حیا کے بارے میں اپنے بھائی کو وعظ ونصیحت کر رہا تھا' تو آپ ﷺ

نے فرمایا:

((دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيْمَانِ))(۶)

''اسے چھوڑ دو حیا تو ایمان کا حصہ ہے''۔

مگر اس وصف کا یہ تقاضا بھی ہے کہ یہ اعتدال میں رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ڈانڈے خوف اور بزدلی سے ملنے لگیں اور وہ اجتماعی کاموں میں رکاوٹ بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حیا کی حقیقت میں بزدلی کا جو عنصر شامل ہے شریعتِ مطہرہ نے اس کی اصلاح کی ہے تاکہ یہ امر حق کے اظہار میں مانع نہ ہو۔ جس طرح ایمان کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام فواحش و منکرات سے اجتناب کیا جائے اسی طرح حیا بھی انسان کو برے کاموں سے روکتی ہے۔ اگر فطرتاً حیا موجود ہے تو وہ شرعی حیا کا روپ اختیار کر لیتی ہے' اس لیے یہ فطری مادہ ملامت کے بجائے اصلاح کے قابل ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جہاں تک اظہارِ حق' وعظ و پند' تبلیغ و دعوت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے' حیا کے طبعی ضعف کو دور کیا جائے اور حق بات کہنے میں جھجک اور ہچکچاہٹ سے کام لینے کے بجائے دلیرانہ رویہ اپنایا جائے۔

شرعی حیا

یہی حیا تھی جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جری و بے باک بنا دیا تھا۔ ایک صحابیہ آپ ﷺ سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آتی ہیں' وہ سمجھتی ہیں کہ عورت کی فطری حیا اس میں رکاوٹ ہے' مگر اس شرعی حیا کی بنا پر سوال سے پہلے ہی کہہ دیتی ہیں کہ یا رسول اللہ! خدا حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ ایک موقع پر حضور ﷺ نے مسلمان کی مثال ایسے درخت سے دی جو کبھی خزاں آشنا نہیں ہوتا' اکابر صحابہ اس درخت کا نام نہ بتا سکے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سمجھ گئے کہ یہ کھجور کا درخت ہے' مگر عمر میں چھوٹے تھے اور شرم سے چپ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اس کا تذکرہ کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس درخت کا نام بتا دیتے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی۔ انصار یہ عورتیں بھی حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھنے میں جھجکتی نہ تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءَ اَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ(۷)

''انصار کی عورتیں کس قدر اچھی تھیں کہ دین کا علم حاصل کرنے سے ان کو حیا نہیں روکتی تھی۔''

پند و موعظت، رُشد و ہدایت کا عمل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کے علاوہ حیا انسان کا ایسا اخلاقی جوہر ہے جس سے اس کو فائدہ ہی پہنچتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ)) (۸) ''حیا سے صرف بھلائی پہنچتی ہے۔''

شرم و حیا ایمان کی تروتازگی اور بہار کے متماثل ہے۔ یہ اگر مرد کے لیے گراں مایہ متاع ہے تو عورت کا حسن ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ)) (۹) ''حیا سراپا خیر ہے۔''

حقیقی حیا

حقیقی حیا کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ لِاَصْحَابِهٖ: ((اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ)) قَالُوْا: اِنَّا نَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰهِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، قَالَ: ((لَیْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْیٰ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ فَلْیَحْفَظِ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰی، وَلْیَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰی، وَلْیَذْکُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰی، وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِیْنَةَ الدُّنْیَا، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْیٰ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ)) (۱۰)

جناب نبی کریم ﷺ نے ایک روز اپنے صحابہؓ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے حیا کرو اور پوری طرح اس کا حق ادا کرو۔'' انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی، الحمدللہ، ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ اس طرح نہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں حیا کا صحیح حق ادا کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے سر اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی آنکھ، کان، زبان، منہ) کی نگہبانی کرے، پیٹ اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی شرم گاہ) کی حفاظت کرے، موت اور ہلاکت اس کے پیش نظر رہے۔ اور جو شخص آخرت کی آرزو رکھتا ہے وہ دنیا کی زیب و زینت (میں محو نہیں ہوتا بلکہ اس) سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ پس جو ایسا کرتا ہے تو گویا وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق ادا کرتا ہے۔''

حقیقی حیا کی معنویت کو مذکورہ حدیث مبارکہ میں بڑی جامعیت سے مبرہن کیا گیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ دعا فرماتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ

وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ)) (۱۱)

''خدایا میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنی سماعت کے شر سے' اپنی بصارت کے شر سے' اپنی زبان کے شر سے' اپنے دل کے شر سے اور اپنی شہوت کے شر سے۔''

ایک دوسری حدیث میں قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ فرماتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَاءِ)) (۱۲)

''خدایا' میں برے اخلاق' برے اعمال اور بری خواہشات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

گویا حقیقی حیا یہ ہے کہ بندہ غلط خواہشات اور کجرویوں سے پاک وصاف ہو' اس کے اعضاء و جوارح رب کی اطاعت میں جھکے جاتے ہوں' وہ شرم وحیا کا پتلا اور صدق وصفا کا مجسمہ ہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''پردہ'' میں ''حیا'' پر بڑی فکر انگیز گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''حیا کے معنی شرم کے ہیں' اسلام کی مخصوص اصطلاح میں حیا سے مراد وہ ''شرم'' ہے جو کسی امرِ منکر کی جانب مائل ہونے والا انسان خود اپنی فطرت کے سامنے اور اپنے خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے۔ یہی حیا وہ قوت ہے جو انسان کو فحشاء و منکر کا اقدام کرنے سے روکتی ہے' اور اگر وہ جبلتِ حیوانی کے غلبے سے کوئی برا فعل کر گزرتا ہے تو یہی چیز اس کے دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حیا کے اسی چھپے ہوئے مادے کو فطرتِ انسانی کی گہرائیوں سے نکال کر علم وفہم اور شعور کی غذا سے اس کی پرورش کرتی ہے اور ایک مضبوط حاسۂ اخلاقی بنا کر اس کو نفسِ انسانی میں ایک کوتوال کی حیثیت سے متعین کر دیتی ہے''۔ (پردہ' ص ۲۶۲)

شرم وحیا' عمل کی ایک کسوٹی

حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی: اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ)) (۱۳)

''پچھلے پیغمبروں کی تعلیمات سے لوگوں نے یقیناً یہ بات بھی حاصل کر لی کہ جب تم شرم ہی محسوس نہ کرو تو پھر جو چاہے کرو۔''

آپ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کوئی ایسا کام کرنے لگو جس

میں تمہیں نہ تو اللہ سے کوئی شرم محسوس ہوتی ہو اور نہ کسی انسان سے‘ تو ایسا کام کر گزرو اور اگر شرم محسوس ہوتی ہے تو پھر وہ کام نہ کرو۔ برے کام کرنے میں اگر کسی کو کوئی باک نہیں تو یہ کوئی بہادری نہیں ہے اور نہ اس کا نام آزادی ہے‘ بلکہ یہ بے حیائی اور بے شرمی ہے‘ کیونکہ حیا کا یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو بدی سے روکے رکھتا ہے‘ اور اگر یہ جذبہ مفقود ہو تو پھر وہ جو گل کھلانا چاہے کھلا سکتا ہے‘ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اسی تناظر میں یہ کہا گیا کہ جب تم اللہ سے خوف اور شرم محسوس نہ کرو تو اپنے نفس کو ممنوع کام کے حوالے کر دو اور جو چاہے کرتے پھرو۔ یہ حکم انتباہ کے طور پر ہے نہ کہ جواز کے طور پر‘ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

”تم جو چاہے کرتے پھرو (کیا فرق پڑتا ہے) کیونکہ وہ تمہارے کرتوتوں سے واقف ہے۔“

اسلام کا امتیازی وصف

اسلام نے نہایت شدّت کے ساتھ ان تمام کاموں سے روکا ہے جو فحش اور منکرات کے زمرے میں آتے ہیں۔ لغو‘ فضول اور بے ہودہ باتوں سے منع کیا ہے اور ان حدود کا تعین کیا ہے جن کے پھاندنے سے شرافت اور عفت کا دامن داغدار ہوتا ہے اور انسانیت ٹھٹھرنے لگتی ہے۔ اس وجہ سے حیا اسلام کا مخصوص اخلاقی وصف بن گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ)) (۱۴)

”بے شک ہر دین کے لیے کچھ اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔“

امام نوویؒ ریاض الصالحین میں حیا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حقيقة الحياء خُلق يحث على ترك القبيح ويمنع من التقصير فى حق ذى الحق‘ وقال الجنيد رحمه الله الحياء رؤية الآلاء اى النعم ورؤية التقصير فيتولّد بينهما حالة تسمّى حياء

”حیا ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو برے کام کے ترک کرنے پر ابھارتا ہے اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کرنے سے روکتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا کہنا ہے کہ حیا کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مشاہدہ کرے اور اس

میں یہ احساس پیدا ہو کہ اس نے منعمِ حقیقی کا شکر بجالانے میں کس قدر کوتاہی کی ہے' تو اس سے اس آدمی کے دل میں ایک کیفیت (ندامت و شرمساری کی اور کوتاہیٔ عمل کی) پیدا ہوتی ہے' جسے حیا کہتے ہیں۔''

لفظِ حیا کی جامعیت

لفظ ''حیا'' میں وسعت بھی ہے اور جامعیت بھی۔ حیا کو صرف اس مفہوم میں محدود کر لینا کہ شرم ناک کاموں سے پرہیز کیا جائے' صحیح نہیں۔ دراصل حیا طبیعتِ انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس میں انقباض پیدا ہو اور اس کے ارتکاب سے اسے اذیت پہنچے۔ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے انسان کو وجود بخشا' جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پا رہا ہے اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور حال چھپا ہوا نہیں۔ بندہ اپنے ماں باپ' اپنے بزرگوں اور محسنوں سے حیا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو سب بڑوں سے بڑا ہے' اپنے بندوں پر اس کے اَن گنت احسانات ہیں اور وہ سب محسنوں کا محسن ہے' لہٰذا سب سے زیادہ شرم و حیا اسے ہی کی ہونی چاہیے۔ اس حیا کا تقاضا یہ ہے کہ جو کام اور جو بات اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا کے خلاف ہو آدمی کی طبیعت میں اس سے تکدر پیدا ہو اور وہ اسے ایک بار محسوس کرے۔

حیا۔ ایمان کا جزوِ لاینفک

حیا ایمان کا جزوِ لاینفک ہے اور دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مسند احمد و جامع ترمذی کے حوالہ سے یہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ)) (۱۰)

''حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے' اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے اور بدکاری دوزخ میں لے جانے والی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرِنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْآخَرُ))

''حیا اور ایمان دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں' جب ان دونوں میں سے کوئی

ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔''

حیا۔ثمرات ونتائج

قرآن وحدیث کے ان مباحث کے تناظر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''حیا'' چمنستانِ آدمیت کی بہار ہے' یہ ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے۔ یہ موجود ہوتو فضائیں مسکراتی ہیں' لطافتیں جلوہ نما ہوتی ہیں اور کثافتیں ڈھل جاتی ہیں' عام آدمی اس کی رعنائیوں سے ضیابار ہوتا ہے اور اگر مؤمن ہوتو پھر اس کا حسن فزوں تر ہوتا ہے' اس کے انوار کی کوئی حد نہیں ہوتی' جزو ایمان ہونے کے حوالے سے یہ خیر ہی نہیں سراپا خیر ہے۔ اس کی ضد بے حیائی' عریانی اور برہنگی ہے' زندگی کا وہ عدمِ توازن ہے جو فساد' انتشار اور بگاڑ کی صورت میں رونما ہوتا ہے' جس کے باعث انسانوں کے مابین روابط وتعلقات حسد' بغض اور تنفر کا شکار ہونے لگتے ہیں' معاشرت و سیاست اور معیشت کے نقوش اپنی کشش کھو بیٹھتے ہیں۔ آج مسلم معاشرہ کی صورتِ حال کتنی ہی کرب انگیز ہے' فرنگی مقامروں نے اس کی ہیئت کو بدنما کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مسلمان ہیں کہ اپنی سادگی اور بھولپن کے باعث تہذیبِ فرنگ کی بدولت اپنے شاندار ماضی کو فراموش کر چکے ہیں۔ وہ یہ ادراک نہیں کر پائے کہ ؎

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب — کہ روح اس بدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید — ضمیرِ پاک وخیالِ بلند وذوقِ لطیف!

علامہ اقبال اس روح فرسا صورتِ حال پر کڑھتے اور تڑپ اٹھتے ہیں اور اپنی چارہ سازی اور درد کا درماں حضور نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں تلاش کرتے ہیں ؎

تجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری!
تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی' مرا ایماں ہے زُناری!

مسلم معاشرے میں بڑھتی ہوئی عریانی وفحاشی مغرب کی عنایت ہے۔ جدید ٹیکنالوجی اور سائنس نے اس میں اتنا رنگ بھرا ہے کہ دامن عفت تار تار ہو چکا ہے' بے لباسی کو لباس کا نام دے دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

((نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ

الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا))

''جو عورتیں کپڑے پہن کر ننگی ہی رہیں اور دوسروں کو رجھائیں اور خود دوسروں پر ریجھیں اور بختی اونٹوں کی طرح ناز سے گردن ٹیڑھی کر کے چلیں وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی۔''

یہ تھی بات ان عورتوں کی جو فیشن اور خوبصورتی کی خاطر باریک اور زرق برق لباس پہنتی ہیں اور ارادتاً حیا کے بخیے ادھیڑتی ہیں۔ بناؤ سنگھار اور آرائش وزیبائش کر کے مَردوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔ قرآن حکیم میں مؤمن عورتوں سے کہا گیا ہے:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (الاحزاب:۳۳)

''پہلی جاہلیت جیسی بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرتی پھرو۔''

بے حیائی کی روش کو بڑھانے میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا کردار خاصا شرم ناک ہے۔ اس نے اخلاقی بندھنوں کو اتنا ڈھیلا کر دیا ہے کہ الحفیظ والامان۔ وہ قرآن حکیم کا یہ واضح حکم بھول گئے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (النور:۱۹)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔''

تمام افراد، جماعتوں، اداروں اور اُمتِ مسلمہ میں درد دل رکھنے والے تمام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ مسلم معاشرہ کو صحیح پہچان فراہم کرنے میں اپنی تمام کاوشیں بروئے کار لائیں اور اسلام کے تصورِ حیا کے احیاء میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه .....

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا اهل الجنة .....ومسند احمد، ح ۱۶۸۳۷۔

(۳) سنن البیهقی، کتاب الاسماء والصفات۔

(٤) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب غیرة الله تعالی وتحریم الفواحش۔

(٥) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحیاء۔

(باقی صفحہ 84 پر)

اساطینِ علم کے اربابِ اقتدار سے تعلقات

حافظ طاہر اسلام عسکری

زیرِ قلم مضمون میں اس نکتے کو اُجاگر کیا جائے گا کہ سلاطین و امراء سے تعلقات اور ان سے ہدایا و عطیات لینے کے باب میں علمائے سلف کا فکری و عملی رویہ کیسا تھا' جس سے مقصود یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے علمائے کرام اُسوۂ سلف کی روشنی میں اپنے کردار و عمل کا تعین کریں تاکہ دین و اہلِ دین کی کھوئی قدر و منزلت بحال ہو سکے۔ واللہ المستعان!

حقیقی سیادت' شرف و منزلت اور بلندیٔ مرتبت وہ ہے جس کی اساس علم و تقویٰ پر ہو۔ اسی لیے فرمایا گیا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔''

چنانچہ صلاح و تقویٰ سے متصف اہل علم ہی دنیا و آخرت میں اعزاز و اکرام کے اصل مستحق ہیں۔ اس کے برعکس فسق و فجور اور جہل و ضلالت کی وادیوں میں سرگرداں حرماں نصیب لائق مذمت ہیں' خواہ مال و دولت اور ظاہری جاہ و منصب ہی کے حامل کیوں نہ ہوں۔

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سفرِ حج پر تھے۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ بن عمرو بن نوفل بھی ہمراہ تھیں۔ راستے میں ابطح کے مقام پر قیام کے لیے خیمہ زن ہوئے۔ پاس ہی سے ایک گروہ اپنی سواریوں پر سوار گزرا۔ ان میں سے ایک نوجوان بآوازِ بلند ترنم سے یہ اشعار پڑھ رہا تھا: ؎

وانا الاخضر من یعرفنی
اخضر الجلدۃ من بیت العرب

من یساجلنی یساجل ماجدا
یملأ الدلو علی عقد الکرب

''میرا رنگ گندمی ہے' جو مجھے جانتا ہے' جانتا ہے کہ میں عرب کے خوشحال ترین خاندان سے ہوں' میری سیالی کرنا ایسے سخی دل کی سیالی کرنا ہے جو ڈول کو منہ تک بھر دیتا ہے۔''

سیدنا معاویہؓ نے استفسار کیا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا جعفر بن ابی طالب ﷺ کا فرزند۔ فرمایا: ''اس کا راستہ چھوڑ دو اور اسے جانے دو''۔ پھر ایک اور جماعت دکھائی دی جن میں ایک لڑکا درج ذیل اشعار گا رہا تھا: ؎

بینما یذکرننی ابصرننی عند
قید المیل یسعی بین الأغر
قلن : تعرفن الفتی؟ قلن : نعم
قد عرفناہ ' وھل یخفی القمر؟

''نازنینوں میں میرا چرچا ہو رہا تھا کہ محبوبہ نے دیکھ لیا' گھوڑا مجھے اڑائے لیے چلا جا رہا ہے۔ آپس میں کہنے لگیں اس بانکے جوان کو جانتی ہو؟ جواب ملا' ہاں ہاں' اور کیا چاند بھی کبھی چھپتا ہے؟''

جناب امیر نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ عمر بن عبداللہ بن ابی ربیعہ ہے۔ فرمایا: اسے راستہ دے دو کہ چلا جائے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا ایک شخص کے گرد لوگوں کا جمگھٹا ہے' لوگ اس سے مسائل پوچھ رہے ہیں۔ کوئی یہ سوال کر رہا ہے کہ میں نے سر منڈانے سے قبل رمی کر لی ہے؟ کسی کو اس کے برعکس مسئلہ درپیش ہے۔ الغرض مناسکِ حج کے باب میں جو دقت و مشکل پیش آ رہی ہے لوگ اس کے بارے میں استفسار کر رہے ہیں۔ سیدنا معاویہؓ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے؟ جواب ملتا ہے عبداللہ بن عمرؓ۔ جناب معاویہؓ اپنی زوجۂ محترمہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں بخدا یہ ہے حقیقی شرف و منزلت' واللہ' دنیا و آخرت کی عزت و فضیلت یہی ہے۔(۱)

یہ حقیقت کہ اصل مجد و اکرام کا حقیقی معیار علم و تقویٰ ہے' اتنی جلی' عیاں اور واضح ہے کہ حجاج بن یوسف جیسے جابر و مستبد شخص کو بھی اس کا اقرار ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ نے اس سلسلے میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حجاج نے خالد بن صفوان سے دریافت کیا: اہلِ بصرہ کی سیادت کا مقامِ بلند کسے حاصل ہے؟ خالد نے جواب دیا: حسن بصری اہل بصرہ کے سردار ہیں۔ یہ سن

کر حجاج کہنے لگا: ''یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ تو آزاد کردہ غلام ہے''۔ خالد نے کہا: ''لوگ اپنے دین میں ان کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا سے مستغنی و بے نیاز۔ میں نے اہل بصرہ کے اشراف و معززین کو دیکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ حسن بصریؒ کے حلقۂ علم وارشاد میں پہنچ کر ان کے اقوال وارشادات سن سکے اور ان کے علمی جواہر ریزوں کو حیطۂ تحریر میں لا سکے''۔ اس پر حجاج کی زبان سے بے ساختہ یہ نکلا: ''خدا کی قسم' یہی اصل سیادت ہے اور یہی حقیقی شان وشوکت''۔(۲)

اسی حقیقت کے پیش نظر اصحابِ فہم وخرد خیر القرون کی علامت یہ بتاتے ہیں کہ ان کے علماء ہی ان کے حکمران تھے اور ان کے وزیر ومشیر اور ہم نشین بھی وہ لوگ ہوا کرتے تھے جو فضل وشرف میں ان کے ہم مرتبہ تھے۔ اس کے برعکس شر القرون وہ ہیں جن کے ارباب بست وکشاد راہِ ''فرعونیت'' پر گامزن ہوں' ان کے وزیروں کا شعار ''ہامانیت'' ہو اور جن کے مشیروں نے ''قارونیت'' کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ کتنی سچی ہے یہ بات کہ ''اُمت کے دو گروہ اگر جادۂ مستقیم پر گامزن ہوں تو پوری اُمت کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ان میں بگاڑ وفساد آ جانے سے ساری ملت تباہی وبربادی کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ دو گروہ ہیں اصحابِ علم اور اہلِ اقتدار''۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِالْاَمِيْرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ صِدْقٍ، اِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ وَاِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ وَاِذَا اَرَادَ بِهٖ غَيْرَ ذٰلِكَ جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ سُوْءٍ اِنْ نَسِيَ لَمْ يُذَكِّرْهُ وَاِنْ ذَكَرَ لَمْ يُعِنْهُ))(۳)

''جب اللہ تعالیٰ کسی حکمران سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے مخلص اور پختہ کار وزیر عطا کر دیتا ہے کہ جب یہ حاکم بھول جائے تو وہ اسے یاد دہانی کراتا ہے اور اسے از خود یاد رہے تو حصولِ اہداف ومقاصد میں اس کا دست وبازو اور معاون ومددگار بن جاتا ہے۔ لیکن اگر اللہ عزوجل خیر وبھلائی کے علاوہ صاحبِ حکومت سے کوئی اور سلوک کرنا چاہتا ہے تو کسی بدکردار کو اس کا وزیر بنا دیتا ہے کہ اگر یہ سہو ونسیان میں مبتلا ہو جائے تو وہ اسے متنبہ نہیں کرتا اور اگر اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو بھی تو یہ وزیر کاروبارِ حکومت میں اس کا ہاتھ نہیں بٹاتا''

ہمارے اَسلاف اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کارِ ریاست وحکومت کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار مشیران ووزراء پر ہے۔ اگر وہ علم واخلاص' حکمت وبصیرت اور صلاحیت و

تجربہ کے اوصاف سے متصف ہوں گے تو حکمرانی وفرمانروائی کی ذمہ داریوں سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی سربراہِ حکومت اور والیٔ ریاست کے وزیر ومشیر ان صفات سے تہی دامن ہوں تو وہ کسی طور بارِ ریاست اٹھانے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اہلِ شوریٰ علماء اور فقہاء تھے۔ اسی طرح سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مشیروں میں رجاء بن حیاۃ، محمد بن شہاب الزہری، سالم بن عبداللہ بن عمر اور قاسم بن محمد کے اسمائے گرامی سرِفہرست نظر آتے ہیں۔ یہ وہ نابغۂ روزگار ہستیاں ہیں کہ علم اور زہد وتقویٰ کی ریاست جن پر ختم تھی۔ خدا ان پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے۔

فضیلتِ علم واہلِ علم

کلامِ الٰہی اور ارشاداتِ پیغمبرِ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آتا ہے کہ اربابِ علم کو پروردگارِ عالم نے انتہا درجے کی عظمتوں، فضیلتوں اور رفعتوں سے نوازا ہے۔ اس باب میں نصوصِ شریعت کی تعداد اس قدر ہے کہ حدوشمار سے ماورا اور اس کا احصا محال۔ چند ایک ملاحظہ فرمائیے۔

◆ ربِّ کریم فرماتا ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾﴾ (آل عمران)

''اللہ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

اس فرمانِ خداوندی سے اہل علم کے شرف ومنزلت کا اثبات یوں ہوتا ہے کہ خدائے ذوالجلال نے اپنی وحدانیت ویکتائی کی شہادت میں اپنے اور نورانی ملائکہ کے تذکرہ میں علماء کو بھی شامل فرمایا ہے۔ (دیکھئے کتب تفسیر)

◆ حاملینِ علم، اللہ عزوجل کو اس قدر محبوب ہیں کہ اُس نے اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کی بڑھوتری اور اس میں اضافے کی دعا کرنے کا حکم دیا:

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾﴾ (طٰہٰ) ''اور یہ دعا کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا۔''

گویا ہر لحظہ علم سے اتصاف پذیر ہوتے رہنا اللہ عزوجل کی نگاہ میں انتہائی پسندیدہ ہے۔

اصحابِ علم کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے انہیں پیغمبروں کا وارث قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ)) (۴) ''علماء پیغمبروں کے وارث ہیں''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

((اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ يُحِبُّهُمْ اَهْلُ السَّمَاءِ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِيْتَانُ فِي الْبَحْرِ اِذَا مَاتُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) (۵)

''علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں' آسمان والے ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے اس دنیا سے انتقال کے بعد تا قیامت سمندر کی مچھلیاں ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی بخشش کے لیے سراپا التجا رہتی ہیں''۔(۶)

یہاں اس حقیقت کی جانب بھی اشارہ ضروری ہے کہ فرستادگانِ الٰہی کا ورثہ درہم و دینار اور دُنیوی مال و دولت کے بجائے علم ہوا کرتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسے اپنے دامنِ طلب کی زینت بناتے ہیں۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب نبی مکرم ﷺ کے فرامین وارشادات روایت کرنے لگتے تو فرماتے:

هَلُمُّوا اِلٰى مِيْرَاثِ نَبِيِّكُمْ! ''لوگو! آؤ اپنے نبی ﷺ کی میراث کی طرف!''

ایک مرتبہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں داخل ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: ''میں تمہیں یہاں دیکھ رہا ہوں اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے''۔ لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آ کر کہنے لگے: ''مسجد میں تو کوئی چیز تقسیم نہیں ہو رہی' البتہ کچھ لوگ بیٹھے قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا: وہی تو ہے تمہارے پیغمبر کی میراث''۔(۷)

☆ اگر علماء' علم کی قدر کرتے.....

علم اور اہل علم کے اِن فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ علماء اپنے مقام ومنصب کو پہچانیں اور اپنی وجہ فضیلت یعنی علم کی قدر کریں' اس کی حفاظت ونگہبانی کریں اور اسے رذائل وصغائر سے بچائیں۔ علم کو حُبِّ جاہ ومال اور خصومات وجدلیات جیسی آلائشوں سے آلودہ نہ کریں' اس لیے کہ یہ چیزیں محض اس فانی دنیا تک ہی محدود ہیں اور اسی کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جائیں گی۔ یہ شیطانی چالیں ہیں کہ عالموں کو اس طریقے سے اشتغال بالادنیٰ میں مبتلا کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے رفیع الشان مقام ومرتبہ سے محروم ہو جائیں۔ علم کی قدر ومنزلت اسی صورت

میں ہوگی جب اس کے حاملین اسے وقعت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ کیا خوب فرمایا ہے قاضی جرجانیؒ نے: ؎

ولو ان اهل العلم صانوه صانهم
ولو عظموه فی النفوس لعظما
ولکن اذلوه فهان ودنسوا
محیاه بالاطماع حتی تجهما

''اگر اربابِ علم اپنے علم کی نگہبانی کرتے تو وہ بھی ان کی حفاظت کرتا' اور اگر یہ اسے اپنے قلوب واذہان میں لائق تعظیم جانتے تو علم ان کی توقیر ومنزلت بڑھاتا۔ لیکن انہوں نے اسے رسوا کیا اور اپنی خواہشاتِ نفس سے اس کے چہرے کو آلودہ وعیب دار کر دیا' چنانچہ علم بھی ان پر حملہ آور ہوگیا''۔(۸)

حقیقت میں عالم کون ہے؟

حقیقی علماء وہ ہیں جو خشیتِ الٰہی اور تقویٰ جیسی صفات سے آراستہ ہوں اور جلوت وخلوت میں خوفِ خدا کو ملحوظ رکھیں۔ اللہ عزوجل نے تو اپنے خوف وخشیت کو محض انہی تک محدود قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں''۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

كَفٰى بِخَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عِلْمًا وَبِالْاِغْتِرَارِ جَهْلًا (۹)

''خشیتِ الٰہی کے لیے علم کافی ہے اور فریب خوردگی کے لیے جہل''۔

حضرت الربیع بن انس سے مروی ہے:

من لم یخش اللّٰه تعالٰی فلیس بعالم (۱۰)

''جس میں خوفِ خدا نہیں وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں''۔

امام مجاہدؒ کا قول ہے:

انما العالم من خشی اللّٰه (۱۱) ''عالم صرف وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے''۔

حضرت ابراہیم بن سعدؒ سے پوچھا گیا: من افقه اهل المدینة؟ ''اہل مدینہ میں سب

سے بڑا فقیہ کون ہے؟'' فرمایا:

اتقاهم لربّه عزّوجل (۱۲) ''جو اپنے ربّ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو''۔

کسی نے امام شعبی رحمہ اللہ کو اَیُّھَا الْعَالِمُ (اے عالم) کہہ کر مخاطب کیا تو حضرت الامامؒ نے اسے جواب دیا:

العالم من یخاف اللّٰہ

''عالم تو وہ ہوتا ہے جو خشیت الٰہی کو ملحوظ رکھتا ہے''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۸۱۸)

☆ علمائے سو کی علامات و مذمّت

مندرجہ بالا اقوالِ سلف سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کثرتِ روایت' حفظ و استحضار اور فصاحتِ لسان کا نام نہیں بلکہ خشیت وتقویٰ' ادب وورع' تزکیۂ نفس اور تطہیرِ کردار و عمل اصل علم ہے۔ اسی بنا پر علماء کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں:

(۱) طالبانِ آخرت علمائے ربانی (۲) دنیا پرست علمائے سو

عالمِ ربانی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خشیت وتقویٰ کو دل میں جگہ دیتا ہے' نفس کو گناہوں کی لغزشوں سے محفوظ رکھتا اور خوشنودیٔ رب کے حصول میں لگا رہتا ہے۔ اس کے برعکس جو دُنیوی جاہ ومنصب کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیتا ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے' وہ عالمِ سوء ہے۔ یہ وہ بدنصیب ہے جو اپنی دنیا کی خاطر آخرت کو فروخت کر ڈالتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور سلف صالحین سے ایسی احادیث و آثار بکثرت مروی ہیں جن میں علمائے سو کی وضاحت اور ان کی مذمت کی گئی ہے۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

(۱) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلَا لِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلَا لِتَحْتَازُوْا بِهِ الْمَجَالِسَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَالنَّارُ النَّارُ))(۱۳)

''حصولِ علم سے تمہارا مقصود یہ نہ ہونا چاہیے کہ علماء پر فخر کرو' جہلاء سے حجت کرو اور مجالس میں اونچی جگہ بیٹھو۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لیے دوزخ ہے' دوزخ!''

(۲) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر اعظم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۱۴)

''جس شخص نے وہ علم کہ جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے' اس لیے سیکھا کہ اس کے ذریعے اسے دنیا کا کچھ مال ومتاع مل جائے تو ایسا شخص روزِ قیامت جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا''۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روزِ قیامت تین آدمیوں کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا (ان میں ایک وہ ہے) جس نے علم سیکھا سکھایا تھا' اسے بلایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلا کر سوال کرے گا' بتا تیرا عمل کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا' پروردگار! میں نے تیری رضا جوئی کے خیال سے علم سیکھا سکھایا تھا۔ جواب ملے گا' نہیں تو جھوٹ بول رہا ہے۔ تیرے دل میں تو یہ خواہش چھپی تھی کہ عالم کہلائے گا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔(۱۵)

(٤) حضرت کعب الاحبار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ:

''کچھ لوگ علم حاصل کریں گے لیکن اس پر عمل نہ کریں گے' فقہ سیکھیں گے' مگر عبادت ان کا مقصود نہ ہوگا' اعمالِ آخرت کے بدلے حصولِ دنیا کے متمنی ہوں گے' بھیڑ کی کھال زیب تن کریں گے مگر دل زہر کی مانند کڑوے ہوں گے۔ خدا فرماتا ہے کیا یہ مجھ پر جھوٹ باندھتے اور مجھے دھوکہ دیتے ہیں؟ مجھے اپنی ذات کی قسم! میں ایسے فتنے کو ان کا مقدر کر دوں گا جو ان کے دانش مندوں کو بھی حیرانی و پریشانی میں مبتلا کر دے گا۔''(۱۶)

(۵) سیدنا ابن المبارک رحمہ اللہ نے سلف کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

تعوذوا بالله من فتنة العالم الفاجر' والعابد الجاهل' فان فتنتهما فتنة كل مفتون (۱۷)

''فاسق وفاجر عالم اور جاہل عبادت گزار کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو کہ فتنے میں پڑنے والے کے لیے دونوں بڑا فتنہ ہیں۔''

(٦) جناب حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: **عقوبة العالم موت قلبه** ''عالم کی سزا یہ ہے کہ اس کے دل کی موت واقع ہو جاتی ہے''۔ پوچھا گیا کہ موتِ قلب سے کیا مراد ہے؟ فرمایا:

طلب الدنيا بعمل الآخرة (۱۸) ''عملِ آخرت کے بدلے دنیا کا طالب ہونا''۔

(۷) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ علماءِ سو سے کہا کرتے تھے:

يا اصحاب العلم قصوركم قيصرية وبيوتكم كسروية واثوابكم

ظاهرية ' واخفافكم جالوتية ' ومراكبكم قارونية ' واوانيكم فرعونية ' ومآثمكم جاهلية ' ومذاهبكم شيطانية ' فأين المحمدية (۱۹)

''اے اربابِ علم! تمہارے محلات سے قیصریت چھلکتی ہے اور گھروں سے کسرویت' تمہارے لباس ظاہری ٹیپ ٹاپ والے ہیں اور جوتے جالوت کی مانند ہیں' تمہاری سواریاں قارون کی سی ہیں اور برتن فرعون جیسے' تمہارے گناہ جاہل کی طرح کے اور مذہب شیطانی ہیں' ذرا یہ تو بتاؤ کہ شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہاں ہے؟''

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وراعی الشاة یحمی الذئب عنها
فکیف اذا الرعاة لها ذئاب

''بکریوں کا نگہبان انہیں بھیڑیے سے بچاتا ہے' لیکن جب محافظ ہی بھیڑیوں کا روپ دھارلیں تو پھر کیا عالم ہوگا؟''

سلف صالحین سے اس مضمون کے بے شمار آثار واقوال مروی ہیں جنہیں اندیشہ طوالت کی بنا پر بیان نہیں کیا جا رہا۔ قرآن کریم نے بھی اس حوالے سے متعدد مقامات پر توجہ دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۴۴﴾﴾ (البقرة)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو' حالانکہ تم کتاب اللہ کی تلاوت بھی کرتے ہو' تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴿۲﴾﴾ (الصف)

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو' جو کرتے نہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ﴿۱۸۷﴾﴾

(آل عمران)

''اور اللہ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے

اور اسے چھپاؤ گے نہیں' تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔''

☆اصحابِ اقتدار سے میل جول اور عطیات قبول کرنا: اسلاف کا طرزِ فکر و عمل

اس باب میں علمائے سلف کے دو گروہ ہیں جن کا طریقِ فکر اور عملی رویہ متنوع رہا ہے' جس کی وضاحت حسب ذیل ہے:

☆**پہلا نقطہ نظر**: اہل علم کے ایک فریق کی رائے میں حکمرانوں کے پاس جانا' ان سے تعلقات استوار کرنا اور عطیات یا مال و زر قبول کرنا مناسب نہیں۔ اس نقطہ نگاہ کے حاملین میں محمد بن سیرین' طاؤس' سفیان ثوری' ابراہیم نخعی' فضیل بن عیاض' ابوحنیفہ النعمان' عبداللہ بن مبارک' بشر حافی' احمد بن حنبل' ربیعہ الرائے' میمون بن مہران' سوید بن غفلہ' ابن ابی خثیمہ اور ابن وہب رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات نہ صرف خود اہل اقتدار سے دور رہتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ بسا اوقات تو یہ حاکموں سے تعلقات رکھنے والوں کا بائیکاٹ بھی کر دیتے تھے۔

مانعین کے دلائل

علماء کا یہ گروہ اپنے مسلک کے حق میں امورِ ذیل سے استدلال کرتا ہے:

(۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا' وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ' وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ)) (۲۰)

''صحرا میں رہنے والا اُجڈ ہو جاتا ہے' شکار کے پیچھے پڑ جانے والا غافل ہو جاتا ہے اور حکام کے پاس دوڑنے والا فتنے کا نشانہ بن جاتا ہے''۔

(۲) سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ تَعْرِفُوْنَ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُوْنَ' فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ' وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ' وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ فَابْعَدَهُ اللّٰهُ)) (۲۱)

''تم پر ایسے لوگ حکومت کریں گے جن کے اعمال و افعال میں تم معروف بھی دیکھو گے اور منکر بھی۔ پس جس نے انکار منکر کیا وہ بری ہوا اور جس نے غلط کاموں پر اظہارِ ناپسندیدگی کیا وہ محفوظ ہو گیا' مگر جو تمام معاملات پر راضی و مطمئن رہا' اللہ تعالیٰ اسے

اپنی رحمت سے دُور کردے گا۔''

(۳) سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''مقاماتِ فتن سے بچو''۔ پوچھا گیا: وہ کون سے مقامات ہیں؟ فرمایا:

ابواب الامراء' یدخل احدکم علی الامیر فیصدّقه بالکذب' ویقول له مالیس فیه (۲۲)

''اربابِ سلطنت کے دروازے۔ تم میں سے کوئی امیر و حاکم کے پاس جاتا ہے تو جھوٹ بول کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے وہ محاسن و محامد بیان کرتا ہے جس سے وہ تہی دامن ہوتا ہے۔''

(۴) امام سفیان ثوریؒ نے یوسف بن اسباطؒ سے فرمایا:

''جب تم کسی عالم یا قاری کو دیکھو کہ اس نے سلطان سے وابستگی اختیار کر رکھی ہے تو جان لو کہ وہ چور اور ڈاکو ہے' اور اگر اسے اصحابِ ثروت کے دامن سے وابستہ پاؤ تو سمجھ لو کہ وہ منافق و ریاکار ہے۔ ایک دھوکے سے بچنا' تمہیں کہا جائے گا کہ حاکموں کے پاس جا کر تم مظلوموں کا دفاع کرو گے اور انہیں ان کا حق دلاؤ گے' لیکن یاد رکھو کہ یہ فریبِ ابلیس ہے' جسے ان نام نہاد قاریوں اور عالموں نے اپنی خواہشات کے حصول کا زینہ بنا رکھا ہے''۔ (۲۳)

ترکِ تعلقات میں سختی برتنے والے علماء

جن اہل علم کا رویہ اس باب میں غیر لچکدار رہا ہے' ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

⊙ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

امام موصوف حکمرانوں سے میل جول کے سخت مخالف تھے۔ اس کے باوجود اربابِ اقتدار کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ امام صاحب سے ملیں اور حضرت الامام ان سے ملاقات کے لیے تشریف لائیں' مگر سفیان ثوریؒ اس سے انکاری تھے۔ آپؒ ان سے تند لہجے میں بات کرتے' نہ ظاہراً حسنِ سلوک سے پیش آتے اور نہ ان سے محوِ کلام و گفتگو ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حق گوئی اور بے باکی کی برکت سے ان کو جابر و مستبد حکمرانوں کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھا۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ امام صاحب حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے قائل نہ

تھے۔ امام ذہبیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: کان ینکر علی الملوك ولا یری الخروج اصلاً۔ ''سفیان ثوری حکمرانوں پر تنقید کیا کرتے تھے' لیکن ان کے خلاف خروج کو قطعی درست نہ سمجھتے تھے۔''

امام موصوف کی اہل اقتدار سے بے التفاتی' سرد مہری اور ان کے سامنے اظہارِ جرأت و بے باکی کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

◆ خلیفہ منصور کا چچا عبدالصمد ایک مرتبہ جناب سفیان ثوری کی عیادت کے لیے حاضر ہوا تو امام صاحب نے دیوار کی جانب رخ کر لیا اور اس کے سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ عبدالصمد وہاں موجود ایک صاحب سے کہنے لگا: سیف! میرا خیال ہے ابوعبداللہ (سفیان) سو رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا مجھے بھی یونہی محسوس ہوتا ہے۔ اس پر حضرت سفیان فرمانے لگے: دروغ گوئی سے کام نہ لو میں سویا ہوا نہیں۔

عبدالصمد نے عرض کیا: ابوعبداللہ' کوئی حاجت ہو تو بتائیے؟

فرمایا: میری تین حاجتیں ہیں' ایک یہ کہ دوبارہ میرے ہاں نہ آنا۔ دوسری یہ کہ میرے جنازے میں شریک نہ ہونا اور تیسری یہ کہ میرے لیے دعا نہ کرنا۔ یہ سن کر عبدالصمد اٹھا اور وہاں سے نکل کر کہنے لگا: بخدا' میرا جی چاہتا تھا کہ میں اس کا سر لے کر ہی وہاں سے باہر آؤں۔[۲۴]

◆ یوسف بن اسباط کا بیان ہے کہ سفیان ثوری فرماتے تھے کہ:

زیّنوا العلم والحدیث بانفسکم' ولا تتزیّنوا به[۲۵]

''علم کو اپنے اخلاق سے سنوارو نہ کہ خود علم سے آراستہ ہو۔''

◆ امام موصوف ہی کا مقولہ ہے کہ:

''مجھے ان کی طرف سے اہانت کا خوف نہیں' اندیشہ یہ ہے کہ وہ میرا اکرام کریں اور میں ان کی برائی کو برائی نہ سمجھوں۔ مجھے بادشاہ کے لیے ایک ہی مثال نظر آتی ہے کہ بھیڑیے نے کہا: میں کتے کا مقابلہ کرنے کے شر سے زائد حیلے اور تدبیریں جانتا ہوں' ان میں سب سے بہتر یہ ہے کہ نہ میں کتے کو دیکھوں اور نہ وہ مجھے دیکھے''۔

◆ اربابِ اقتدار سے اپنے سخت رویے اور ان پر جرح و تنقید کے باعث سفیان ثوریؒ معتوب رہتے' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ظالموں کے شر سے محفوظ رکھا۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ ابوجعفر نے جب مکہ کے لیے رختِ سفر باندھا تو لاٹھی بازوں کو روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی کہ سفیان ثوری جہاں نظر آئے اسے سولی پر لٹکا دو۔ چنانچہ چوب ساز آئے اور پھانسی دینے کے

لیے لکڑیاں گاڑ دیں' پھر سفیان ثوری کا نام پکارا گیا۔ اس وقت امام صاحب اس حالت میں لیٹے تھے کہ سر فضیل بن عیاض کی گود میں تھا اور پاؤں سفیان بن عیینہ کی گود میں۔ وہ کہنے لگے: ابوعبداللہ! اللہ سے ڈریے اور دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دیجیے۔ حضرت الامام اٹھے اور خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر یہ الفاظ کہے کہ اگر ابوجعفر یہاں داخل ہوا تو میں اس سے بری ہوں۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ ابوجعفر مکہ روانہ ہونے سے قبل ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔[۲۶]

◆ امام سفیان ثوریؒ کی حیات و سیرت کا ایک عظیم الشان اور ناقابل فراموش واقعہ جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق اور رہتی دنیا تک علماء کے لیے مشعل راہ ہے' اس خط سے متعلق ہے جو انہوں نے مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے ایک مکتوب کے جواب میں لکھا۔ اس سے نہ صرف امام موصوف کی حق گوئی' جرأت و بے باکی اور بے خوفی کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اقتدار اور اصحابِ اقتدار ان کی نگاہوں میں کس قدر بے وقعت و ناقابل التفات تھے اور وہ ان سے کس قدر دور بھاگتے تھے۔ ہارون الرشید اور سفیان ثوریؒ کی اس خط و کتابت کا تذکرہ الدمیری نے حیاۃ الحیوان میں اور امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''احیاء علوم الدین (ج ۲' ص ۳۵۴) میں کیا ہے۔ علامہ حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑیؒ نے بھی اسے اپنے رسالے ''حکومت اور علمائے ربانی'' کی ابتدا میں درج کیا ہے۔ ذیل میں یہ قصہ اسی رسالے سے نقل کیا جا رہا ہے۔ علامہ روپڑیؒ نے اس کی تمہید میں لکھا ہے:

> ''سلطان ہارون الرشید اپنے زمانے کا کوئی معمولی بادشاہ نہ تھا۔ وہ زمین کے چوتھائی کرۂ ارض پر حکومت کرتا تھا اور مؤرخ گبن (Gibben) کی صراحت کے مطابق وہ قیصرِ روم کو خط میں ''کتے کا پلا'' لکھا کرتا تھا' لیکن وہ اپنے زمانے کے ایک فقیر منش عالم کو جس کے ساتھ بچپن سے اس کے بڑے گہرے دوستانہ تعلقات تھے' اپنے ہاتھ سے کس عاجزی' انکساری' نرمی اور محبت سے خط لکھتا ہے اور پھر وہ فقیر اسے اس کی شان کے خلاف جو کچھ جواب دیتا ہے' اس پر کان تک نہیں ہلاتا' بلکہ سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے''۔

مکتوب سلطانی
از قصر المعلّٰی

''اللہ کے بندے' مؤمنوں کے امیر ہارون الرشید کی طرف سے' اس کے بھائی سفیان بن سعید بن المنذر کی جانب!

برادرم! اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا

ہے۔ میں نے بھی آپ کو اپنا بھائی بنالیا ہے اور میں نے اس رشتۂ اُخوت کی رسی کو توڑا ہے نہ آپ کی محبت کو چھوڑا ہے۔ میرا دل افضل محبت کے جذبات سے معمور ہے۔

ابوعبداللہ! میرے اور آپ کے بھائیوں میں سے کوئی نہیں رہا' سب میری ملاقات کو آئے اور آکر بادشاہی کی مبارک باد دی۔ میں نے خزانوں کے منہ کھول دیے اور انہیں قیمتی اور گراں بہا عطیات سے یہاں تک مالا مال کیا کہ میرا دل خوش ہوگیا اور آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ لیکن آپ کو پیشکش کرنے میں مجھ سے تاخیر ہوگئی' کیونکہ آپ تشریف ہی نہیں لائے۔ میں یہ خط آپ کی خدمت میں بڑے شوق سے لکھ رہا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ مؤمن کی زیارت اور اس کی ملاقات کی کس قدر فضیلت ہے۔ اس لیے جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو بہت جلد تشریف لائیے۔''

خلیفہ کا قاصد جب یہ خط لے کر آیا تو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کی مسجد میں تھے' ارد گرد آپ کے اصحاب بیٹھے تھے۔ ایلچی نے یہ خط آپ کی طرف پھینکا۔ حضرت الامام کی جب اس پر نظر پڑی تو کانپتے ہوئے اس طرح پیچھے ہٹ گئے گویا کوئی سانپ سامنے آ گیا ہے۔ آپ نے ہاتھ پر آستین لپیٹ کر اسے اٹھایا اور لوٹ پوٹ کر دیکھا۔ پھر اپنے تلامذہ کی جانب پھینک دیا اور فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی اسے اٹھا کر پڑھے' میں خدائے قدوس سے کسی ایسی چیز کے چھونے سے معافی مانگتا ہوں جسے کسی ظالم کے ہاتھ نے مس کیا ہو۔''

خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپؒ نے فرمایا: ''اس کی پشت پر اس ظالم کو یہ جواب لکھ دو''۔ کسی نے عرض کیا: ''ابوعبداللہ! یہ خلیفہ ہیں' کسی صاف ستھرے کاغذ پر جواب لکھیے''۔ جنابِ امام نے فرمایا: ''اس ظالم کو اس کی پشت پر جواب لکھو' اگر یہ ورق حلال کی کمائی کا ہے تو اس کی جزائے اسے مل جائے گی اور اگر حرام کی کمائی کا ہے تو اسی کے ساتھ دوزخ میں جائے گا۔ ہمارے پاس کسی ظالم کی چھوئی ہوئی کوئی چیز نہیں رہنی چاہیے جو ہمارے دین اور مذہب کو فاسد کردے''۔ پھر فرمایا کہ ''لکھو!'' اور درج ذیل تحریر قلم بند کرائی:

جوابِ سفیان

''گنہگار بندے سفیان بن سعید بن منذر کی جانب سے مغرور بندے ہارون الرشید کی طرف' جس سے حلاوتِ ایمانی زائل ہو چکی ہے۔

میں یہ خط اس لیے لکھ رہا ہوں کہ تجھے بتادوں کہ میں نے تیری رسی کو توڑ دیا ہے اور تیری محبت کو قطع کر دیا ہے' کیونکہ تو نے اپنے خط میں مسلمانوں کے بیت المال کو

ناحق لٹانے' بے محل خرچ کرنے اور اتنے پر بھی راضی نہ ہونے کا اقرار کیا ہے اور پھر اتنی دور بیٹھے ہوئے خط کے ذریعے تو مجھے گواہ بناتا ہے۔ سن لے! میں اور میرے یہ بھائی جو اس وقت میرے پاس موجود ہیں اور تیرے خط کو انہوں نے پڑھا ہے' ہم سب کل قیامت کے دن خدائے جبار کے سامنے تیرے خلاف گواہی دیں گے۔

ہارون! تو نے مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر ان کا بیت المال لٹا دیا۔ کیا تیرے اس فعل سے وہ لوگ خوش ہوں گے جنہیں تالیفِ قلوب کی ضرورت ہے اور جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور جو مسافر ہیں؟ کیا حاملینِ قرآن' اہلِ علم' بیوہ عورتیں اور یتیم بچے تیرے اس فعل کو پسند کریں گے؟ کیا تیری اس کرتوت سے تیری رعیت کی کوئی مخلوق راضی ہو سکتی ہے؟ ہارون! کل قیامت کے دن جواب دہی اور سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جا اور سمجھ لے کہ تو عدل و انصاف والے حاکم کے سامنے کھڑا ہوگا۔ علم و زہد کی حلاوت' قرآن کی لذت اور نیکیوں کی صحبت کو تو نے زائل کر دیا اور ظالم بننے اور ظالموں کا امام کہلانے کو پسند کر لیا ہے' اس لیے تو مصیبت میں مبتلا کیا جائے گا۔

ہارون! تو تخت پر بیٹھتا اور لباسِ ریشم زیب تن کرتا ہے' دروازے کے سامنے پردے لٹکا کر پروردگارِ عالم سے مشابہت اختیار کرتا ہے اور اسی پر بس نہیں' دروازے اور پردے سے باہر ظالم سپاہی بٹھا رکھے ہیں جو لوگوں کو شراب نوشی پر پیٹتے ہیں اور خود شراب پیتے ہیں' زانیوں کو سنگسار کرتے ہیں اور خود زنا سے باز نہیں آتے' چور کا ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں مگر خود چوری کرتے ہیں۔ لوگوں پر یہ احکام جاری کرنے سے پہلے کیا یہ قوانین تجھ پر اور ان کارندوں پر لاگو نہیں ہوتے؟ ہارون! کل کیا حال ہوگا' جب خدائے جبار و قہار کا منادی پکارے گا کہ ظالموں اور جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے' ان کو لاؤ۔ کہاں ہیں ظلم کرنے والے اور ان کے اعوان و انصار؟ اس وقت تو بارگاہِ عدل میں پیش کیا جائے گا۔ تیرے ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے' جنہیں تیرے عدل و انصاف کے سوا کوئی چیز نہ چھڑا سکے گی۔ ظالم تیرے پیچھے پیچھے ہوں گے اور تو ان کے امام و پیشوا کی حیثیت سے جانبِ دوزخ جا رہا ہوگا۔ اے ہارون! میں گویا تجھے اس عالم میں دیکھ رہا ہوں' تو اپنی نیکیوں کو غیر کے ترازو میں ڈالے گا اور غیر کی برائیاں تیرے ترازو میں ہوں گی جو تیری برائیوں سے بھی زیادہ ہوں گی۔ مصیبت پر مصیبت اور تاریکی پر تاریکی ہوگی۔ میری نصیحت ذہن نشین کر اور جو نصیحت میں نے تجھے کی ہے

اسے قبول کر اور جان لے کہ میں نے خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

ہارون! اپنی رعیت کے مقابلے میں اللہ سے ڈر اور اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نگہداشت کر۔ ان پر اچھے طریقے سے خلافت کر اور سمجھ لے کہ حکومت اگر کسی ایک کے پاس رہتی تو تجھ تک نہ پہنچتی اور تیرے پاس سے بھی کسی اور تک جا پہنچے گی۔ یہ دنیا اسی طرح یکے بعد دیگرے دنیاداروں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو نفع بخش کام کا انتظام کر لیتے ہیں اور وہ بھی جو دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ خسارے میں رہتے ہیں۔

ہارون! میرا خیال ہے کہ تیرا شمار ان لوگوں میں ہے جو دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں' لہٰذا اس کے بعد کبھی مجھے خط نہ لکھنا' میں بہرحال جواب نہ دوں گا۔ والسلام''

مردِ درویش کے نصیحت و خیر خواہی پر مبنی اس تہدید آمیز جواب کا سلطان پر کیا اثر ہوا' ذرا وہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ محدث روپڑی تحریر فرماتے ہیں:

''جب یہ خط ہارون کے پاس پہنچا اور پڑھنے لگا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' وہ پڑھ رہا تھا اور ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ہم نشینوں میں سے کسی نے کہا: ''امیر المؤمنین! سفیان نے آپ پر بہت جرأت کی ہے' اگر آپ اسے لوہے کی زنجیروں میں باندھ کر قید میں ڈال دیں تو دوسروں کو عبرت ہوگی''۔ ہارون نے کہا: ''دنیا کے بندو! اس خیال کو چھوڑ دو۔ مغرور وہ ہے جسے تم نے غافل بنا دیا' بدبخت وہ ہے جسے تم نے ہلاک کر دیا اور سفیان اکیلا ایک جماعت کی حیثیت رکھتا ہے۔ تم اسے اس کی حالت پر رہنے دو''۔ ہارون رشید نے اس خط کو ہمیشہ اپنے پہلو میں رکھا اور مرتے دم تک اس کا یہ دستور رہا کہ ہر نماز کے بعد اس خط کو پڑھ لیا کرتا۔''(۲۷)

سچ ہے کہ جو دنیوی جاہ و منصب اور ظاہری شان و شوکت سے مرعوب نہیں ہوتا اور اربابِ حکومت و سلطنت سے استغنا و بے نیازی کا مظاہرہ کرتا ہے' خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کا رعب ڈال دیتا ہے۔ لوگ اس کی التفات و توجہ کے آرزومند رہتے ہیں اور اس کی محبت اور عظمت و ہیبت دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ مندرجہ بالا واقعہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کناں ہے۔

عالمِ ربانی اور عالمِ سُو کا فرق بھی اس واقعے کی روشنی میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ زمانۂ حاضر کے علماء کے لیے بھی امام سفیان ثوریؒ کے اس طرزِ عمل میں غور و فکر کا بہت کچھ سامان

موجود ہے۔ ایک طرف وہ مردِ درویش ہے جسے حاکم وقت اپنی محبت و دوستی کا واسطہ دے کر ایوانِ اقتدار میں مدعو کرتا ہے اور وہ بچپن کے دوستانہ تعلقات کو نظر انداز کر کے اس دعوت کو ٹھکرا دیتا ہے اور دوسری جانب دنیا پرست عالم ہیں کہ حکمرانوں سے رشتہ داریاں جوڑنے کے لیے دور دراز کے ناتے اور خاندانی حوالے تلاش کر کے اس پر اظہارِ فخر کرتے ہیں! ایک طرف عالم یہ ہے کہ مکتوب شاہی کو چھونا تک گوارا نہیں اور دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ مکاتیب اہل سلطنت اور ان کی عطا کردہ اسناد کو فریم کروا کر دیواروں پر سجایا جاتا ہے! ایک وہ شخص ہے جو نہ صرف عطیات و انعاماتِ سلطانی کو پایۂ حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے بلکہ قومی خزانے کے غلط استعمال پر حکمران کو جھاڑ پلاتا ہے اور ایک گروہ ایسا ہے جو دنیوی جاہ و منصب کے لالچ میں اربوں' کھربوں کی کرپشن کرنے والوں کا حلیف بن کر وزارتوں کے مزے لوٹتا ہے' خود کو علمائے اسلام کا مصداق بتاتا ہے لیکن ان بدعنوان حاکموں کا ساتھ چھوڑنے پر بھی آمادہ نہیں!! خدا ہدایت نصیب کرے۔

امام سفیان ثوریؒ کا تذکرہ قدرے طویل ہو گیا' لیکن اس کے بغیر اس جلیل القدر عالم کی عظمت و جلالت شاید اُجاگر نہ ہو پاتی۔ اس پر مستزاد راقم سطور کا یہ تبصرہ شاید قارئین کی طبع پر گراں گزرے' مگر حضرت الامام ثوریؒ کے حالات اور بالخصوص قصۂ مکتوب اپنے دامن میں اس درجہ تأثر پذیری لیے ہوئے تھا کہ بے اختیار احساسات و تاثرات نے الفاظ کا جامہ اوڑھ لیا اور نوکِ قلم سے قرطاس پر منتقل ہو گئے۔ اب کچھ اور علمائے سلف کے واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

⊙ امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت طاؤس بن کیسانؒ عظیم تابعی ہیں۔ سیدنا زید بن ثابت' سیدہ عائشہ' سیدنا ابو ہریرہ' سیدنا زید بن ارقم اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کرام سے کسبِ فیض کیا۔ سیدنا ابن عباسؓ کے خصوصی تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ طویل عرصہ ان کی رفاقت میں گزارا۔ حکمرانوں سے متعلق ان کا رویہ کیسا تھا' اس کا اندازہ علامہ ذہبیؒ کے نقل کردہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے:

ابن طاؤس کا بیان ہے کہ میں اپنے والد سے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ سلطان کے خلاف بغاوت ہونی چاہیے۔ ایک مرتبہ ہم سفرِ حج پر تھے۔ راستے میں کسی بستی میں قیام کے لیے رکے۔ وہاں کا عامل ابن لہیعہ تھا جو انتہائی خبیث اور بدعنوان تھا۔ ہم نمازِ فجر کے لیے مسجد گئے تو

ابن نجیح آیا اور طاؤس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے انہیں سلام کیا لیکن طاؤس نے جواب نہ دیا۔ عامل مذکور نے امام طاؤس سے گفتگو کرنا چاہی لیکن امام صاحب نے رُخ پھیر لیا۔ وہ دوسری جانب آیا۔ امام موصوف نے پھر نظر انداز کیا اور مطلق توجہ نہ دی۔ میں نے اس کے ساتھ یہ سلوک دیکھا تو اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کی دلجوئی کی کوشش کی۔ میں نے کہا ''شاید ابوعبدالرحمٰن (طاؤس) آپ کو پہچان نہیں سکے''۔ ابن نجیح کہنے لگا: ''یہ تو نہ کہو میرے ساتھ انہوں نے یہ برتاؤ کیا ہی اس لیے ہے کہ وہ مجھے پہچان گئے ہیں''۔ بعدازاں وہ چلا گیا۔ میرے والد خاموش رہے اور مجھے کچھ نہ کہا۔ جب ہم اپنے مسکن میں پہنچے تو فرمایا: ''کہنے! ویسے تو حکمرانوں کے خلاف تلوار لے کر بغاوت اور خروج بپا کرنے کے دعوے کرتا رہتا ہے مگر حالت تیری یہ ہے کہ ان کے بارے میں اپنی زبان کو قابو نہیں رکھ سکا''۔ (۲۸)

◆ انہی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ امام طاؤس اس کی جانب ملتفت نہ ہوئے۔ کہا گیا آپ کے پاس امیر المؤمنین کا صاحبزادہ بیٹھا رہا لیکن آپ نے لائق التفات نہ جانا۔ فرمایا: ''اس لیے کہ لوگ جان لیں کہ خدا کے ایسے بندے بھی روئے زمین پر موجود ہیں جو ان معاملات میں کوئی رغبت نہیں رکھتے''۔ (۲۹)

⊙ امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ بلند پایہ عالم و محدث، جلیل القدر عابد و زاہد اور عظیم مجاہد تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ آپؒ اصحابِ سطوت سے میل ملاقات اور قصرِ امارت میں داخلے کے سخت مخالف تھے اور ایسا کرنے کی مذمت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے جامع بیان العلم میں نقل کیا ہے کہ اسماعیل بن عُلیہ نے جب تحصیل داری کا منصب قبول کر لیا تو عبداللہ بن مبارکؒ سے درخواست کی کہ ایسے اہلِ علم بھیجیے جو اس کام میں میری مدد کریں۔ آپؒ نے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجے:

يَا جَاعِلَ الْعِلْمِ لَهُ بَازِيًا يَصْطَادُ اَمْوَالَ الْمَسَاكِيْنِ

''علم کو باز بنا کر غریبوں کا مال شکار کرنے والے!''

اِحْتَلْتَ لِلدُّنْيَا وَلَذَّاتِهَا بِحِيْلَةٍ تَذْهَبُ بِالدِّيْنِ

''دنیا اور اس کی لذتوں کے لیے تو نے ایسا حیلہ تراشا ہے جو دین کو بھی لے ڈوبے گا''

فَصِرْتَ مَجْنُوْنًا بِهَا بَعْدَ مَا كُنْتَ دَوَاءً لِلْمَجَانِيْنِ
''تو عشقِ دنیا میں مجنون ہو گیا ہے' حالانکہ تو تو خود مجنونوں کی دوا تھا!''

اَيْنَ رِوَايَاتُكَ فِيْمَا مَضٰى عَنِ ابْنِ عَوْنٍ وَابْنِ سِيْرِيْنِ
''وہ ابن عونؒ اور ابن سیرینؒ سے تیری روایتیں کہاں چلی گئیں؟''

وَدَرْسُكَ الْعِلْمَ بِآثَارِهٖ وَتَرْكُكَ اَبْوَابَ السَّلَاطِيْنِ
''اور وہ تیری علمی سرگرمی اور شاہی ڈیوڑھیوں سے بیزاری کیا ہوئی؟''

تَقُوْلُ اُكْرِهْتُ فَمَا ذَا كَذَا زَلَّ حِمَارُ الْعِلْمِ فِي الطِّيْنِ
''تو کہتا ہے' مجبور کر دیا گیا ہوں۔ غلط' یوں کہہ کہ علم کا گدھا کیچڑ میں پھسل پڑا ہے۔''

لَا تَبِعِ الدُّنْيَا بِدِيْنٍ كَمَا يَفْعَلُ ضُلَّالُ الرُّهْبَانِيِّيْنِ
''دیکھ' گمراہ احبار و رہبان کی طرح دین کی راہ سے دنیا طلب نہ کر۔''(۳۰)

⊙ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

امامِ اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ عباسی عہدِ خلافت میں معتزلہ کے برپا کردہ فتنۂ خلقِ قرآن کا استیصال آپ ہی کی قربانیوں کا رہینِ منت ہے۔ اس کی پاداش میں امام السنّۃ کو بے شمار مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا' مگر آپؒ نے جس جرأت و پامردی' عزم و ہمت اور استقامت و استقلال سے ان کا مقابلہ کیا' وہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔

حکمرانوں سے تعلقات کے باب میں امام اہلِ سنت کا طرزِ عمل کیا تھا؟ اس حوالے سے آپ کی سوانح حیات کا مطالعہ اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ آپ دربارِ حکومت میں حاضری کو مکروہ و مذموم سمجھتے تھے اور حکام سے خط و کتابت سے بھی احتراز برتتے تھے۔ اسی طرح اہل اقتدار سے انعامات و عطیات لینا بھی آپ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ تھا۔ آپ دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے اور حکومتی عہدے اور مال و دولت لینے والوں کی مذمت کرتے تھے۔

◆ مہنّا کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے ابراہیم بن موسیٰ الہروی کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے ہیں؟ فرمایا: رَجُلٌ وَسَخٌ ''وہ میلا اور گندا شخص ہے'' میں نے عرض کیا: آپ کے اس ارشاد کا کیا مطلب؟ فرمایا: ''جو حاکموں اور ججوں کا پیچھا کرتا رہتا ہے وہ گندا ہے''۔(۳۱)

◆ امام السنّۃ سے دریافت کیا گیا آپ کے نزدیک وکیع کی شخصیت زیادہ محبوب و

پسندیدہ ہے یا یحییٰ بن سعید کی؟ جواب دیا: ''وکیع مجھے زیادہ پسند ہیں''۔ عرض کیا گیا: ''آپ وکیع کو یحییٰ پر کیونکر مقدم رکھتے ہیں جبکہ علم اور حفظ و اتقان میں یحییٰ کا مقام و مرتبہ معلوم و مسلم ہے''۔ حضرت امام نے فرمایا: ''واقعہ یہ ہے کہ وکیع، حفص بن غیاث کے دوست تھے لیکن جب حفص نے منصب قضا قبول کرلیا تو وکیع نے ان سے قطع تعلق کرلیا۔ اس کے برعکس یحییٰ کی معاذ بن معاذ سے دوستی تھی اور جب معاذ جج بنے تو یحییٰ نے ان سے اپنے تعلقات برقرار رکھے۔ سو یہ وجہ ہے وکیع کے تقدم کی''۔(۳۲)

مقامِ غور ہے کہ حضرت الامام کا یہ زاویۂ نگاہ اس زمانے کے منصفوں کے بارے میں ہے، جب آئین و دستور اور ضابطہ و قانون کی حیثیت شریعتِ اسلامیہ کو حاصل تھی اور بحیثیتِ مجموعی ایمان وتقویٰ اور صدق و دیانت کا غلبہ تھا۔ آج جبکہ کاروبارِ عدالت وحیِ الٰہی کے بجائے وضعی قوانین پر مبنی ہے اور کذب و زُور اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہے تو زمانۂ حاضر کے ججوں اور اربابِ قضا سے تعلقات پر فخر کرنا کیا کسی عالم کو زیب دیتا ہے؟!

(جاری ہے)

بقیہ حواشی: حیا۔ اسلام کا امتیازی وصف

(٦) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحیاء۔

(٧) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم۔ وصحیح مسلم، کتاب الحیض وکتاب الطهارة۔

(٨) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحیاء۔

(٩) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب الحیاء۔

(١٠) مسند احمد، ح ٣٤٨٩۔ مشکوٰة المصابیح، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت وذکرہ۔

(١١) سنن الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللّٰہ ﷺ، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید۔

(١٢) سنن الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللّٰہ ﷺ، باب دعاء أم سلمة۔

(١٣) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحیاء۔

(١٤) سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الحیاء۔

(١٥) سنن الترمذی، ابواب البر والصلة عن رسول اللّٰہ ﷺ، باب ما جاء فی الحیاء۔ ومسند احمد، ح ١٠١٠٨۔

(١٦) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات۔

❁❁❁

”ہند کی جانب سے ٹھنڈی ہوا“

شیخ رحیم الدین

نبی اکرم ﷺ سے منسوب ایک حدیث عموماً بیان ہوتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا ”مجھے ہند کی جانب سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے!“ چنانچہ علامہ اقبال نے بھی یہ مضمون اپنی ایک نظم میں باندھا ہے کہ ”میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے۔ میرا وطن وہی ہے‘ میرا وطن وہی ہے!“ اس روایت کی سند اور صحت سے قطع نظر اس کی ایک واقعاتی جھلک ہندوستان کے موجودہ حالات میں نظر آتی ہے جہاں ایک جانب ڈاکٹر ذاکر نائیک جیسے مبلغِ اسلام بلند ترین سطح اور اعلیٰ ترین پیمانے پر اسلام کی دعوت کو عام کر رہے ہیں‘ اور دوسری جانب داعی الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ کے قرآنی دروس اور خطابات کو بڑے پیمانے پر قبولِ عام حاصل ہو رہا ہے۔ چنانچہ اسی کی ایک ہلکی سی تصویر درج ذیل تحریر میں نظر آتی ہے۔ (ادارہ)

بانی تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی نے جب شعور کی آنکھ کھولی اُس وقت پوری دُنیا میں اُمّتِ مسلمہ قعرِ مذلت میں گری ہوئی تھی اور چار سُو اس پر ذلت و نکبت چھائی ہوئی تھی۔ اُس وقت برعظیم پاک و ہند میں حکیم الامت علامہ محمد اقبال اور مولانا الطاف حسین حالی کا طوطی بول رہا تھا اور وہ مسلمانانِ عالم کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اے مسلمانو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اس ذلت و رسوائی کا سبب کیا ہے؟ کیا ہم وہی قوم نہ تھے جو ساری دنیا میں تہذیب و تمدن کو فروغ دیتے تھے‘ اخلاقِ عالیہ کی بے مثال و بے نظیر روایات ہم قائم کرتے تھے‘ جوانمردی و جانفشانی کے چشمے ہم سے پھوٹتے تھے‘ جہاں بانی و حکمرانی کے طور طریقے دنیا کو ہم سکھاتے تھے‘ اختراعات و ایجادات کا ایک سیلِ مسلسل ہمارے ہاتھوں رواں تھا۔ اِن عظیم الشان روایات کے امین ہونے کے باوجود آج ہماری یہ حالت زار کیوں ہے؟ بقول غالب ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

علامہ مرحوم اس ساری صورتِ حال کا تجزیہ اور اس کا حل اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر!

علامہ مرحوم کا یہ شعر نوخیز ''اسرار احمد'' کے ذہن میں شعوری طور پر پیوست ہوگیا اور آپ نے اوائل عمر ہی میں یہ فیصلہ کیا کہ میں قرآن کی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کروں گا۔ اپنے اس ارادے کو پروان چڑھانے کی خاطر آپ نے نہ کسی مدرسہ کا رخ کیا نہ کسی دارالعلوم میں داخلہ لیا' بلکہ سکول اور کالج میں تعلیم پائی' اور کالج کی سطح پر بھی ادب' فلسفہ یا عمرانیات و اسلامیات کے طالب علم نہ رہے بلکہ سائنس اور طب کی تعلیم میں مصروف رہے۔ عربی زبان سے آپ کو بچپن ہی سے شغف تھا۔ چنانچہ سکول کی تعلیم کے دوران آپ نے عربی بطور اختیاری مضمون پڑھی تھی۔ بعد ازاں آپ کی علمی استعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآن حکیم اور مختلف تفاسیر کا مطالعہ شروع کیا' جس سے ذہن کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور آپ کے دروس کے چرچے ہونے لگے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظمِ اعلیٰ منتخب ہونے کے بعد تو پورے ملک میں آپ کے دروس ہونے لگے۔

آپ کے دروسِ قرآنی میں علامہ اقبال کا سوزِ دروں' فراہی و اصلاحی کا تدبر و تعمق' ابوالاعلیٰ و ابوالکلام کا غلبہ و اقامتِ دین کا حرکی تصور موجزن نظر آنے لگا۔ نیز ادبیت کی چاشنی سے معمور یہ دروس شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے رسوخ فی العلم کا پرتو بننے لگے۔ اس پر مستزاد آپ کے منطقی و استدلالی اندازِ درس و خطاب' الفاظ کی ادائیگی کے زیر و بم' چشم و ابرو کے اشارے اور موقع و محل کی مناسبت سے فارسی و اردو کے موزوں اشعار کے استعمال سے آپ کے درسِ قرآن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنا قبولِ عام بخشا کہ وہ ''عوامی درسِ قرآن'' کے اُس خواب کی عملی تعبیر بن گیا جو کہ لگ بھگ ۷۰' ۸۰ سال قبل حضرت شیخ الہندؒ نے دیکھا تھا۔ چنانچہ آپ کے دروس و خطابات میں سامعین و ناظرین پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے' بیس بیس ہزار لوگ ڈھائی ڈھائی گھنٹہ کے دروسِ قرآن میں شریک ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ذہنی استعداد کے مطابق حصہ وصول کرتا ہے۔

۱۹۷۲ء میں محترم ڈاکٹر صاحب نے انتہائی عاجزی اور انکساری سے اپنے رب کے حضور یہ التجا پیش کی کہ ''اے میرے ربّ! اب میری زندگی کے روز و شب صرف تیری آخری کتاب قرآن حکیم کی تعلیمات کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ ایک خالص اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد کے لیے وقف ہوں گے۔'' یہ عہد و پیمان کرتے ہوئے موصوف کے ذہن میں یہ بات بالکل واضح تھی کہ ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ کی سخت کڑی شرائط کو مجھے امکانی حد تک پورا کرنا ہوگا اور اگر میں نے ربّ کریم کی تائید و توفیق سے یہ پوری کرلیں تو پھر لازماً ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ (الاسراء) کے مژدۂ جانفزا کا پروانہ بھی ربّ کریم کی جانب سے جاری ہو جائے گا۔

پھر ایسا ہی ہوا کہ موصوف نے اپنے جسم و جاں کی توانائیاں اپنے عہد و پیمان کے مطابق جھونک دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے دروسِ قرآن کا چرچا پورے ملک کے طول و عرض میں گونجنے لگا۔ جس طرح خوشبو اور انقلاب کو کسی ایک جگہ مقید نہیں کیا جاسکتا اسی طرح توحید و رسالت اور قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی اور انقلابی فکر کو کسی ایک خطہ زمین یا جغرافیائی حدود میں پابند سلاسل نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی سب کچھ محترم ڈاکٹر صاحب کے خطباتِ قرآنی اور قرآن کے انقلابی فکر کے ساتھ ہوا۔ یہ دعوتِ قرآنی' آج پوری دنیا میں جہاں بھی اردو بولنے اور سمجھنے والے حضرات موجود ہیں (جو کُل مسلم آبادی کا قریباً ایک تہائی بنتے ہیں) وہاں پہنچ چکی ہے۔

آج میں صرف اپنے مشرقی پڑوسی ملک ''انڈیا'' میں ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن کے اثرات و مشاہدات اور وہاں سے موصول ہونے والے چند منتخب خطوط کے حوالے سے قلمبند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' اگرچہ ایسے عظیم کام کو جو ایک ہمہ گیر و ہمہ جہت شخصیت سے وابستہ ہے' قلم بند کرنے کے لیے جس فہم و فراست' دقتِ نظر اور سب سے بڑھ کر قدرتِ بیان کی ضرورت ہے اس سے میرا دامن خالی ہے۔ گزشتہ چند سال کے دوران ذاتی طور پر ایسے مشاہدات سامنے آئے کہ جی چاہا کہ ان کو اپنی بساط کے مطابق قارئین کے سامنے پیش کیا جائے' تاکہ ناامیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیاروں میں اُمید کی جو شمع روشن ہو رہی ہے اس سے طمانیت قلب کا سامان میسر ہو اور ان سعید ارواح کو جو رجوع الی القرآن کے کام میں شب و روز لگے ہوئے ہیں' مہمیز کا کام دے:

ساتھیو مشعلوں کو تیز کرو!
جنگ بازوں کا' ملک گیروں کا قافلہ تیز گام ہے کتنا!
اور بھی قافلے کو تیز کرو!!

خوش قسمتی سے اکتوبر ۱۹۸۹ء میں مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ پندرہ دن ہندوستان کے مختلف شہروں میں گزارنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اُس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ یہاں لوگ ڈاکٹر صاحب سے کس قدر متعارف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ جوق در جوق اپنے اہل وعیال کے ساتھ پروگرام میں شرکت کے لیے آتے ہیں۔ اسی دوران حیدر آباد دکن میں کل ہند مجلس تعمیر ملت کے زیر اہتمام ''یوم رحمۃ للعالمین ﷺ'' کے عنوان سے بارہ ربیع الاول کو ایک جلسہ عام کا اہتمام تھا۔ اس جلسہ کے واحد مہمان اور مرکزی مقرر امیر تنظیم اسلامی وصدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تھے۔ اس جلسہ میں ایک محتاط اندازے کے مطابق کم از کم ڈیڑھ لاکھ افراد موجود تھے' جنہوں نے آپ کا پورا خطاب اس قدر انہماک اور توجہ سے سنا جیسے مسحور ہو گئے ہوں۔ اسی طرح آپ کے جتنے پروگرام بھی ہوئے وہاں پر حاضری انتظامیہ کے اندازوں سے کئی گنا بڑھ کر رہتی تھی۔ ہر سامع اجتماع کے بعد آپ سے مزید تعارف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہاں پر ایسے لوگوں سے بڑی تعداد میں ملاقات رہی جو آپ کے دروس کے کیسٹس سن سن کر ازبر یاد کر چکے تھے۔

اگست ۲۰۰۴ء میں انڈیا کے دارالحکومت دہلی میں ایک عظیم الشان بک فیئر کا اہتمام کیا گیا تھا' جس میں انڈیا اور بیرونِ انڈیا کے پبلشرز حصہ لے رہے تھے۔ انجمن خدام القرآن لاہور کو بھی اس بک فیئر میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی۔ انجمن کی انتظامیہ نے سوچ بچار کے بعد اس میں شرکت کا فیصلہ کیا اور مجھے ایک دفعہ پھر پندرہ سال بعد دہلی جانے کا موقع میسر آیا۔ اس دفعہ یہاں جو ماحول دیکھا وہ حیران کن تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب یہاں کے ہر مسلم گھرانے میں موجود ہیں اور لوگ آپ کے دروسِ قرآنیہ اور خطاباتِ قرآنیہ کو دن میں کئی کئی مرتبہ سنتے ہیں۔ پھر یہ کہ سننے والوں میں ہر مسلک ومشرب کے لوگ شامل ہیں' اور ان کی عقیدت ومحبت کا حال یہ ہے کہ جب وہ ہمارے سٹال پر آتے تھے تو جانے کا خیال دل سے نکال چکے ہوتے تھے۔ وہ مجھ سے موصوف کے متعلق معلومات کا خزینہ جمع کرنا باعث سعادت سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ مجھے صبح سے رات گئے تک ان حضرات کے جوابات دیتے

ہوئے آواز بند ہو جایا کرتی تھی مگر ان کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔

نئی دہلی میں سید عرب شاہ صاحب کے نام سے ایک صاحب مشہور و معروف ہیں۔ موصوف میوزک اور فلم وغیرہ کی سی ڈیز بنانے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آپ نے اپنے گھر ہی میں اسٹوڈیو بنا رکھا تھا اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ کسی حوالہ سے ایک دفعہ انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کا درسِ قرآن سن لیا۔ بس پھر کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو قرآن کی نشر و اشاعت کے لیے کھول دیا۔ انہوں نے اپنے گزشتہ کاروبار کو خیر باد کہا' لاکھوں روپے کا نقصان اُٹھایا اور اپنی جسم و جان کی تمام توانائیاں صرف اس کام میں لگا دیں کہ ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن کی سی ڈیز و وی ڈیز لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں تمام انڈیا میں پھیلا دیں۔ اب ان کا اسٹوڈیو اور سیل پوائنٹ محبانِ قرآن کا مرجع ہے۔ میں نے سید عرب شاہ صاحب کو دن کے چوبیس گھنٹوں میں صرف دو تین گھنٹے سوتے دیکھا ہے۔ ان کے اس کام میں ان کے تمام اہل خانہ دن رات مصروف رہتے ہیں اور کسی کے چہرے پر تھکان و تعب کا نشان تک نہیں ہوتا۔ یہ صرف اور صرف قرآن کا اعجاز ہے۔

سید عرب شاہ صاحب سے شہر بریلی کے ایک متمول تاجر نے' جن کا تعلق ایک سکھ گھرانے سے ہے' ڈاکٹر صاحب کے بیان القرآن کی ۱۰۸ سی ڈیز کا سیٹ خریدا۔ اس کی پہلی سی ڈی سننے کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ تو تمام خاندان والوں کے سننے کی چیز ہے۔ دوسرے دن اپنے پورے کنبہ کو کھانے پر بلایا' جو بقول ان کے قریباً ۵۰ افراد پر مشتمل تھا۔ کھانے کے بعد کہا کہ ہم آپ کو ایک چیز دکھاتے ہیں۔ سب نے سمجھا نہ جانے کون سی فلم ہے۔ جب انہوں نے سی ڈی لگائی تو تمام افراد دم بخود سننے لگے اور پھر اختتام پر کہنے لگے کہ ہم ہر روز جمع ہو کر یہ مکمل سیٹ سنیں گے۔ یہ ساری باتیں اس سکھ تاجر نے خود سید عرب شاہ صاحب کو فون پر بتلائیں۔

سید عرب شاہ صاحب نے مجھے ایسے بیسیوں محیر العقول واقعات بتلائے کہ مسلمان تو مسلمان' سینکڑوں غیر مسلم حضرات نے خطباتِ قرآنیہ یا درسِ قرآن کی ایک کیسٹ سنی اور پھر تمام کی تمام دستیاب کیسٹس و سی ڈیز خرید لیں' اور بعد ازاں یہ خبر دی کہ ہم نے یہ تمام کیسٹس اپنے اعزہ و اقربا میں سننے کے لیے تقسیم کر دی ہیں اور وہ اسے سن رہے ہیں۔

دہلی کے ایک معزز گھرانے کے ایک نوجوان کی دعوتِ ولیمہ کے موقع پر ڈاکٹر صاحب کا ایک خطاب جو کہ دو سی ڈیز پر مشتمل ہے' پانچ ہزار کی تعداد میں بلا تفریق مذہب و ملت مہمانوں

میں تقسیم کیا گیا۔ اس طرح یہ دعوتِ قرآنی دہلی کی ایلیٹ کلاس میں پھیل رہی ہے' جس میں سیاسی زعماء' تاجر برادری نیز پنڈت اور پادری حضرات بھی شامل ہیں اور جبہ و دستار کے حاملین بھی۔ یہ سلسلہ اس طرح چل نکلا ہے کہ مختلف مواقع پر ڈاکٹر صاحب کے مختلف خطابات کی سی ڈیز تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔

بک فیئر میں ہمارے سٹال سے چند گز کے فاصلہ پر ایک غیر مسلم جو اعلیٰ تعلیم یافتہ' چہرے بشرے سے شریف النفس نیز وضع قطع سے متمول معلوم ہوتے تھے' گزر رہے تھے۔ اُس وقت ''تعارفِ قرآن'' کے عنوان سے محترم ڈاکٹر صاحب کی سی ڈی چل رہی تھی۔ جونہی ان کی نظریں ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر پڑیں اور ڈاکٹر صاحب کی آواز ان کے کان میں پڑی وہ وہیں صامت و ساکت ہو کر کھڑے ہو گئے اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگے۔ پھر ایک ایک قدم ہمارے سٹال کی طرف بڑھنے لگے اور پھر مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے ڈاکٹر صاحب کا تعارف کروایا تو وہ فرمانے لگے ''ان کے گلے میں تو بھگوان بول رہا ہے''۔ اس فقرہ سے ان صاحب کی معرفت اور حقیقت تک رسائی ظاہر ہو رہی ہے۔ قرآن حکیم حق تعالیٰ شانہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے' تو واقعی ان صاحب کو خدا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے کرسی پیش کی تو وہ بیٹھ گئے' وہ سی ڈی مکمل ہونے پر دوسری لگانے کی فرمائش کی اور وہ بھی سن لی۔ اس دوران ان کے اہل خانہ آ آ کر مطالبہ کرتے رہے کہ ہم فارغ ہو گئے ہیں' گھر چلیں' مگر وہ ان کو ٹالتے رہے اور کہتے رہے کہ کچھ اور خریداری کر لیں۔ بالآخر ان کا ڈرائیور آیا اور کہنے لگا صاحب جی بہت دیر سے گاڑی میں سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں' تب وہ بادلِ نخواستہ جانے کے لیے تیار ہوئے۔ میں نے ۱۰۸ سی ڈیز پر مشتمل 'بیان القرآن' کا سیٹ ہدیۃً پیش کیا کہ یہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے تحفہ ہے۔ اس پر موصوف نے فرمایا: ''یہ میں ضرور لوں گا مگر پہلے اس کا کیش میمو بنا دیں''۔ اور جاتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے ''میں اس کا ایک ایک لفظ سنوں گا' یہ تو بھگوان کا کلام ہے''۔

دہلی کے ایک گرامر سکول کی پرنسپل صاحبہ سٹال پر تشریف لائیں۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے خطبات و دروس سے بے حد متاثر تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے اسکول کی انتظامیہ کو بڑی جرح و قدح کے بعد اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ اسکول کی اسمبلی میں روزانہ نصف گھنٹہ ڈاکٹر صاحب کا ترجمۂ قرآن سنایا جائے اور ہم اس کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ انہوں

نے ۱۰۸ اسی ڈیز کے دو سیٹ خریدے اور دوسرے دن میرے موبائل پر یہ خوشخبری سنائی کہ آج ہم نے اسمبلی میں نصف گھنٹہ درسِ قرآن سنایا ہے' تمام اساتذہ وطلبہ نے بے حد دلچسپی و دلجمعی سے سنا ہے اور سب نے ازخود اس سلسلے کو جاری رکھنے کی فرمائش کی ہے۔

یہ ان سینکڑوں مشاہدات میں سے چند ایک تھے جو قلمبند کیے ہیں' ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!

بک فیئر سے واپسی پر میں نے محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی خدمت عالیہ میں اپنے مشاہدات وتاثرات پیش کیے تو موصوف کی خوشی وانبساط دیدنی تھی۔ اپنی کاوشوں کے نتائج سن کر فرطِ جذبات سے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ موصوف کے یہ آنسو بارگاہِ خداوندی میں خود خداوندِ عالم سے یوں ہم کلام ہوتے ہیں:

''اے میرے مولا! تو نے مجھے جو صلاحیتیں عطا کی تھیں اور جس قوتِ بیانیہ سے مالا مال کیا تھا میں نے اسے امکانی حد تک تیرے کلام کو تیری مخلوق تک پہنچانے میں لگا دیا ہے۔ اور یہ تیرا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس کے ثمرات بھی تیرے فضل وکرم سے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں!''

اب وہ چند منتخب خطوط ملاحظہ فرمائیں جو ہندوستان کے مختلف شہروں سے موصول ہوئے ہیں۔ ان سے ایک ہلکی سی جھلک سامنے آتی ہے کہ وہاں دعوتِ قرآنی کس طرح پھیل رہی ہے اور لوگ محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے بارے میں کیا دلی جذبات رکھتے ہیں:

(۱)

محترم مولانا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں ہندوستان کے شہر ناگپور میں رہتی ہوں' میرا نام بشریٰ فاطمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ یہاں کے بے شمار خواتین وحضرات کو قرآن سے جوڑ دیا ہے۔ آپ ہماری رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کا درس سننے کے بعد آپ سے مزید عقیدت ومحبت کا اضافہ ہوا ہے۔

میں اور یہاں کے بہت سے لوگ آپ کے لیے صحت وعافیت کے ساتھ درازیٔ

عمر کی دعا کرتے رہتے ہیں اور آپ سے زیادہ سے زیادہ کسب فیض کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کی عقیدت مند

بشریٰ فاطمہ

سول لائن' ناگپور' مہاراشٹر (انڈیا)

(۲)

جلیل القدر و عزت مآب جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

بانی تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں پیرزادہ عبدالرشید ۲۰۰۳ء میں سری نگر کشمیر (انڈیا) سے ایک اعلیٰ منصب سے ریٹائر ہونے کے بعد مختلف تفاسیر دیکھیں لیکن کچھ پلے نہیں پڑا---کسی طرح آپ کی کتاب ''منتخب نصاب'' ہاتھ لگ گئی اور اس کے ساتھ ہی اسباق کی ویڈیو سی ڈیز ملیں۔ ان کو بار بار دیکھا اور سنا۔ پھر دہلی سے آپ کی تمام تقاریر کی سی ڈیز منگوائیں' ان سب کو بار بار سنا اور بار بار دیکھا اور اب بیان القرآن سننا شروع کیا ہے۔ آپ کی تصنیف ''منہج انقلاب نبوی ﷺ'' ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے اور یہ بھی سمجھا ہے کہ جو کچھ سیکھا ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا ہے' یعنی اس کی تبلیغ شروع کرنی ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں اور میرے لیے دعا فرمائیں تو اطمینانِ قلب میسر ہوگا۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ عافیت ہم محتاجوں پر تادیر قائم رکھے اور آپ نے ہماری جس طرح رہنمائی فرمائی اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ والسلام

پیرزادہ عبدالرشید

سری نگر' کشمیر (انڈیا)

(۳)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سے تین یا چار سال قبل آپ کو خط لکھا تھا' جس کے بعد آپ کے ادارہ سے

بہت سی کتب اور میگزین موصول ہوئے تھے---الحمدللہ اب تو آپ کی ساری کتب و سی ڈیز وغیرہ بھارت میں مل جاتی ہیں۔ آپ کی جلائی ہوئی ''چاہتِ قرآنی'' کی شمع اب ہندوستان میں پھیل رہی ہے۔ QTV سے بیان القرآن کے ٹیلی کاسٹ نہ ہونے کی شدت سے کمی محسوس کی جارہی ہے۔ میں آپ کے مضامین انٹرنیٹ پر پڑھ لیتا ہوں۔ میں اپنے چند دوستوں کی مدد سے اپنے شہر میں ایک پرچہ بنام ''رجوع الی القرآن'' شائع کرنے کا ارادہ کررہا ہوں۔ اس کے لیے کسی سے کوئی چندہ وغیرہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ صرف دوستوں نے مل کر اس کارِ خیر میں مدد کی ہے۔ پرچہ کا نام بھی آپ کی کتاب سے مستعار لیا گیا ہے۔ ہم سب دوستوں نے آپ کو اپنا صدر' امیر' مرشد یا جو بھی نام دیا جائے وہ مان لیا ہے۔

محترم! آپ کی وہ آنکھیں جو میں QTV میں بیان القرآن کے دوران دیکھا کرتا تھا I never forget۔ فکر میں ڈوبی ہوئی آنکھوں کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ آپ بھی سوچتے ہوں گے کہ میں کیا اوٹ پٹانگ سی باتیں لکھ رہا ہوں۔ لیکن یہ میرے دلی جذبات ہیں جو میں صبح سحر کے وقت رقم کررہا ہوں۔ اس میں کوئی بدتمیزی یا بے ادبی ہوگئی ہو تو معاف فرمادیں۔ والسلام

سید محمد خالد
تل مادھب سین لین
کول کتہ' انڈیا

(۴)

عالی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا تعلق حیدرآباد دکن سے ہے' میں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے اس دور میں تعلیم حاصل کی ہے جب وائس چانسلر جناب رضی الدین صدیقی صاحب مرحوم ہوا کرتے تھے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحلیم اور حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اس ناچیز کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب! آپ کے وعظ و بیان ماشاء اللہ ایمان افروزی کے نئے ریکارڈ قائم کررہے ہیں اور یہاں پر لوگ ان سے استفادہ کررہے ہیں۔ اس طرح کے پُراثر بیانات دینے والے ہمارے ملک میں نہیں ہیں۔

میں اپنی دو تصانیف آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں ---- قبول فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ آخر میں دلی دعا ہے کہ ربّ کریم آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آپ ''رجوع الی القرآن'' کے ضمن میں جو کام کر رہے ہیں وہ ہر لحاظ سے قابلِ ستائش ہے۔ والسلام

سید عبدالعزیز
نہرو بھون بودی لین
اورنگ آباد حیدر آباد دکن (انڈیا)

(۵)

میرے پیارے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے امید ہے کہ یہ خط آپ کو بہترین صحت کی حالت میں ملے گا۔ میں نے ۲۰۰۴ء میں ایک مقالہ ''قرآن کی سائنسی آیات'' پر لکھا تھا جس کا عنوان ''معجزانہ قرآن میں سائنس'' تھا۔ یہ مقالہ میں نے قاہرہ کی قرآن وسنت پر تحقیق کرنے والی سائنسی کونسل کو بھجوا دیا تھا۔ مجھے ایک تعریفی سرٹیفکیٹ بھی دیا گیا تھا۔ اب میں نے اپنے مقالہ کا اردو اور ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔ اردو ترجمہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔

براہ کرم اس کتاب کی وصولی پر اپنے تاثرات میرے ای میل ایڈریس پر عنایت فرمائیں۔ والسلام

ڈاکٹر حمید قریشی
منگل کالونی' لنک روڈ
اجین' انڈیا

(۶)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا نام فہیم احمد اور میرا تعلق یوپی انڈیا سے ہے۔ میں کچھ سال پہلے تک ایک روایتی مسلمان ہوا کرتا تھا۔ میرے والد مرحوم آپ کا بیان القرآن QTV پر دیکھا کرتے

تھے۔ کچھ عرصے تک آپ کی آواز میرے کانوں تک جاتی تھی لیکن جانے کب اس نے میرے قلب کو چھو لیا اور میری زندگی کے شب و روز بدل گئے۔ اللہ نے آپ کے ذریعے مجھے ہدایت بخشی۔

میری نظر میں آپ دنیا کا سب سے اچھا کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب! زندگی میں بس ایک ارمان و آرزو ہے کہ آپ کے در پر پڑا رہوں' آپ کی خدمت کروں---لیکن ہائے میری بدقسمتی کہ آپ کے اور میرے درمیان سیاست کی ایک پُرخطر لکیر ہے۔

ڈاکٹر صاحب! میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے واقعات پڑھتا تھا کہ وہ حضور ﷺ کے لعاب مبارک اور خون مبارک تک کو پی جاتے تھے تو حیرت ہوتی کہ کوئی اتنی محبت کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن اب تین چار سال سے آپ کو دیکھ' سن رہا ہوں اور مجھے آپ سے اتنی محبت ہو چکی ہے کہ میں آپ کی چاکری کرنے کو اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتا ہوں---تو اب سمجھ آیا کہ جب ایک باعمل صاحبِ کردار اُمتی سے اتنی محبت ہو سکتی ہے تو نبی کا تو معاملہ ہی الگ ہے۔ اور یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صحابہؓ نے جو کچھ کیا وہ عین محبت کا تقاضا تھا---آپ کی باتیں اتنی فطری اور معتدل ہوتی ہیں کہ گویا میرے قلب کی آواز ہے۔

میں آپ کی تمام سی ڈیز اور کتب حاصل کر رہا ہوں۔ دعا ہے کہ جلد سے جلد آپ کا دیدار نصیب ہو---اور اگر یہ دنیا میں نہ ہو سکا تو جنت میں ان شاء اللہ ضرور باضرور حاصل ہوگا۔

میں آپ کے لیے ہر وقت دعا گو رہتا ہوں اور یہ دعا خاص طور پر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس قرآنی پیغام کو مزید قبولِ عام فرمائے اور لوگوں کے قلوب کو اس طرف پھیر دے۔ (آمین)

والسلام
فہیم احمد
یوپی' انڈیا

صنم خانۂ ہند میں دعوتِ قرآنی کی اتنی پذیرائی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہاں سے قدرت کچھ کام لینا چاہتی ہے۔ اس خطے کی چار سو سالہ تاریخ بھی اس بات کی غمازی

کر رہی ہے کہ صنم خانۂ ہند میں شمع توحید ان شاء اللہ جلد جگمگانے والی ہے اور وہ دن اب دور نہیں جب ہندوستان کے اعلیٰ ذات کے ہندو اسلام قبول کر لیں گے۔ اور یہ کسی دیوانے کی بڑ نہیں اس بات کی پیشین گوئی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ آج سے صدیوں پہلے فرما چکے ہیں۔

جن خواتین و حضرات کو محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے دروسِ قرآنیہ اور خطباتِ قرآنیہ کے ذریعہ سے ہدایت ملی ہے اور جن کو یہ احساس ہے کہ یہ ہدایت کتنی بڑی دولت ہے اور اسی اعتبار سے ان کے قلوب و اذہان میں موصوف کی عزت و عظمت کے ساتھ محبت و عقیدت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر موجزن ہیں، وہ دن کے آٹھوں پہر ہاتھوں کو اٹھا کر جھولیوں کو پھیلا کر ربِ کریم کی بارگاہِ اقدس میں یوں دُعا کرتے ہیں: اے اللہ! ڈاکٹر صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ عمرِ دراز عطا فرما، اور انہیں اپنے کلام کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور آپ کے پیغام کو جو دراصل اللہ تبارک و تعالیٰ کا پیغام ہے، چار دانگ عالم میں پھیلا دے اور جس طرح ہمیں یہ ہدایت ملی ہے اسی طرح سب لوگوں کو مل جائے۔ آمین!

ضرورت اس امر کی ہے کہ محترم صدر مؤسس نے اس دعوت کی جو شمع جلائی ہے اس کو شعلۂ جوالہ بنا دیا جائے۔ قدرت نے تو بہر حال یہ کرنا ہی ہے، لیکن کتنے خوش نصیب اور خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جو اپنی اعلیٰ صلاحیتیں اس اعلیٰ کام میں لگا دیں گے، اور وہ جو اپنی چشمِ سر سے حالات کے اس تغیر کو ملاحظہ فرمائیں گے کہ ؎

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنّم آفریں بادِ بہار — نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک — بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ ''فرقان'' سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ ''قرآن'' سے!!

❁❁❁

کھانسی، نزلہ، زکام

کسی موسم یا کسی وقت کے پابند نہیں

ہمدرد کی مجرّب دوائیں ان کا علاج بھی ہیں اور ان سے محفوظ رہنے کی مؤثر تدبیر بھی

سُعالین

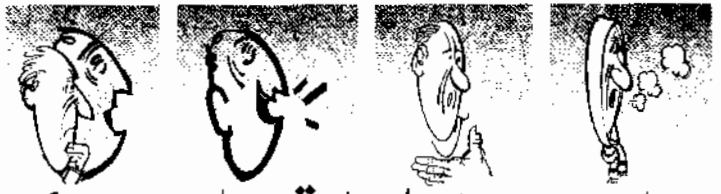

مُفید جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ سُعالین گلے کی خراش اور کھانسی کا آسان اور مؤثر علاج۔ آپ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، سرد و خشک موسم یا گرد و غبار کے سبب گلے میں خراش محسوس ہو تو فوراً سُعالین لیجیے۔ سُعالین کا باقاعدہ استعمال گلے کی خراش اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔

جوشینا

نزلہ، زکام، فلو اور اُن کی وجہ سے ہونے والے بخار کا آزمودہ علاج۔
جوشینا کا روزانہ استعمال موسم کی تبدیلی اور فضائی آلودگی کے مُضر اثرات بھی دُور کرتا ہے۔
جوشینا بند ناک کو فوراً کھول دیتی ہے۔

لعوق سپستاں

نزلے زکام میں سینے پر بلغم جم جانے سے شدید کھانسی کی تکلیف طبیعت نڈھال کر دیتی ہے۔
اس صورت میں صدیوں سے آزمودہ ہمدرد کا لعوق سپستاں، خشک بلغم کے اخراج اور شدید کھانسی سے نجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔
ہر موسم میں، ہر عمر کے لیے

صُدوری

مؤثر جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ خوش ذائقہ شربت۔ خشک اور بلغمی کھانسی کا بہترین علاج۔ صدوری سانس کی نالیوں سے بلغم خارج کر کے سینے کی جکڑن سے نجات دلاتی ہے اور پھیپھڑوں کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہے۔ بچّوں، بڑوں سب کے لیے یکساں مُفید۔
شوگر فری صُدوری بھی دستیاب ہے۔

سُعالین، جوشینا، لعوق سپستاں، صُدوری — ہر گھر کے لیے بے حد ضروری

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

Adarts-SJLS-1/2001

February 2010
Regd CPL No. 115
Vol.59
No. 2

Monthly **Meesaq** Lahore

- ہمارا دین "دینِ توحید" ہے اور "توحید" کی ضد "شرک" ہے۔
- شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور ناقابلِ درگزر ہے۔
- قرآن کی رو سے شرک "ظلمِ عظیم" ہے۔
- شرک ہر دور میں نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔
- مسلمان جہالت اور ناسمجھی کے سبب شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقفیت' اور دورِ حاضر کے شرک سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے مطالعہ کیجیے:

حقیقت و اَقسامِ شرک

بانیٔ تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے چھ فکر انگیز خطابات

معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ ❁ عمدہ طباعت ❁ 128 صفحات

قیمت: اشاعت عام: 50 روپے' اشاعت خاص: 90 روپے

شائع کردہ: **مکتبہ خدام القرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501

email: maktaba@tanzeem.org Website: www.tanzeem.org